www.shibliinternational.com

February 2021 فبروری

ISSN: 2581-9216

ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد

Urdu Monthly SADA E SHIBLI Hyderabad

ایڈیٹر مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

-/20 روپے

ORANGE GATE
PROPERTIES

Rs. 5499/- Per Sq. Yd.

Orange Gate Fortune Farm @Shannkarpalli

PRINCE DEVELOPERS
Walk into Nature

Office Address
#10-3-304/D, Bepin Nivas, Humayun Nagar, Masab Tank, Hyderabad (D)

Site Address
101 (P), 104 (P), Vattimeenapally (V), Nawabpet (M), Vikarabad (D)

8317692718
9392533661

NEW GAZALA SAREES

All kinds of Wedding Sarees, Suits & Sharara

+91 9848668219, 8686978846

#23-2-241, Volta Hotel Lane, New Moghalpura, Hyderabad, T.S.

Issue36 شمارہ_Vol:3 جلد

فروری Feb :2021

ماہنامہ

حیدرآباد

صدائے شبلی

مدیر: ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

نائب مدیران: ڈاکٹر سراج احمد انصاری ☆ ڈاکٹر عبدالقدوس ☆ ابوہریرہ یوسفی

مجلس مشاورت:

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی، پروفیسر مظفر علی شہہ میری پروفیسر محسن عثمانی ندوی، پروفیسر ابوالکلام پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی، ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی، مفتی محمد فاروق قاسمی، مولانا ارشاد الحق مدنی، مولانا محمد مساعد ہلال احیائی اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ، محمد سلمان انجینئر

مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد رفیق، ڈاکٹر حمران احمد، ڈاکٹر جاوید کمال، ڈاکٹر ناظم علی، ڈاکٹر مختار احمد فردین، ڈاکٹر غوثیہ بانو، ڈاکٹر سید امام حبیب قادری، ڈاکٹر سمیہ تمکین، ڈاکٹر فاروق احمد بھٹ، ڈاکٹر مصطفیٰ خان، مولانا عبدالوحید ندوی، مولانا احمد نور عینی، ڈاکٹر مصلح الدین نظامی، ابوہریرہ ایوبی، محسن خان

قیمت فی شمارہ:20 سالانہ:220
رجسٹرڈ ڈاک:350-بیرونی ممالک:50/امریکی ڈالر
خصوصی تعاون:1000

SADA E SHIBLI
A/c: 13271024000023922
Ifsc: IBKL0001327
IDBI Bank: CHARMINAR HYD, T.S

ماہنامہ "صدائے شبلی" حیدرآباد میں مقالہ نگاران سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف حیدرآباد کی عدالت میں ہوگی

محمد محامد ہلال (اونر، پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر) نے دائرہ الیکٹرک پریس میں چھپوا کر حیدرآباد تلنگانہ سے شائع کیا

خط وکتابت کا پتہ

Email: sadaeshibli@gmail.com

Mob:9392533661 - 8317692718

MOHD MUHAMID HILAL #17-6-352, B1, 2nd Floor,Bafana Complex,
Near Asfya Masjid Dabirpura Road, Purani Haveli,Hyderabad- 500023. T.S

فہرست مضامین

۱	اپنی بات	ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۵
۲	اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ شبلی نعمانیؒ	۶
۳	دیباچوں میں ذکرِ شبلی کا مطالعہ (قسط: (۳۳)	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	۷
۴	دعاء	حضرت عبدالرحمٰن جامیؔ	۱۰
۵	نجات کا اٹل قانون	مولانا حبیب الرحمٰن	۱۱
۶	اولاد کی تعلیم وتربیت کا بگڑتا رجحان: آخر اس کا ذمہ دار کون؟	ڈاکٹر آصف لئیق ندوی	۱۳
۷	اقبال فہمی (اقبال کی اردو شاعری میں ذکرِ رسولؐ)	احمد نور عینی	۱۸
۸	غزل	جہانگیر قیاس	۲۱
۹	ایک کہانی چھ ادیبوں کی	ظفر الاسلام	۲۲
۱۰	ایک چادر میلی سی کا نفسیاتی مطالعہ	ثنا غزل	۲۶
۱۱	قرآن اور ہماری زندگی	عبدالوحید ندوی	۳۲
۱۲	طیب صالح عربی ادب کی عبقری شخصیت	محمد ارشاد عالم	۳۴
۱۳	مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی دینی، علمی و تصنیفی خدمات	طفیل احمد مصباحی	۳۶
۱۴	میں جاگ جاتا ہوں (نظم)	شمیم مشتاق معروفی	۳۹
۱۵	نظم	خوشنما	۳۹
۱۶	غزل	قمر صدیقی	۳۹
۱۷	غزل	ڈاکٹر علاؤالدین دلؔ ہاشمی	۳۹

ماہنامہ ’’صدائے شبلی‘‘ کے خصوصی معاونین

ابو سفیان اعظمی، مقیم حال ممبئی......الحاج **محمد منیر الدین عرف ولی**، آغا پورہ حیدرآباد
ڈاکٹر سید **جلیل حسین** ایم ڈی (علیگ) ٹولی چوکی حیدرآباد......الحاج **محمد عبد الستار** سیکھ ولیج سکندرآباد حیدرآباد
علی میاں احمد پٹھان رائے گڑھ (مہاراشٹر)......**علی احمد عبد اللہ** کونچالی، رائے گڑھ (مہاراشٹر)
الحاج **رئیس احمد اقبال** انجینئر، سیکھ ولیج سکندرآباد حیدرآباد......**محمد عبدالماجد** ایڈوکیٹ، سکندرآباد، حیدرآباد
جناب قاضی **فیض الدین**، ایرتوڑیل، مہاڈ، رائے گڑھ مہاراشٹرا۔ ڈاکٹر **شہباز احمد**، پروفیسر گورنمنٹ نظامیہ طبی کالج
چارمینار، حیدرآباد......مولانا **محمد عبدالقادر سعود** نائس جوس سینٹر سکندرآباد، حیدرآباد۔
الحاج **محمد قمرالدین** نبیل کالونی بارکس حیدرآباد

اپنی بات

الحمدللہ ماہنامہ ''صدائے شبلی'' فروری ۲۰۲۱ء کا چھتیسواں شمارہ قارئین کے پیش خدمت ہے۔ فروغ اردو زبان وادب اور خدمتِ خلق کے جذبے کے ساتھ ہم نے اس رسالہ ماہنامہ ''صدائے شبلی'' کا اجراء تین سال قبل کیا تھا۔ بتوفیق الٰہی تسلسل کے ساتھ اس ماہنامہ کی اشاعت جاری وساری ہے۔ گذشتہ تین سالوں میں عالم، ملک اور ہر فرد نے نت نئے نشیب وفراز دیکھے۔ اندھیرا اجالے کا پتہ دیتا ہے اور اجالا اندھیرے کو یاد دلاتا ہے، بس انسان ہی ہے کہ اس کے ذمہ سانسوں کے ساتھ چلنا اور چلتے رہنا ہے، کچھ اس طرح کی کیفیات سے گذرتا ہوا ہمارا شمارہ قلمکاروں، قارئین اور مشتہرین کے تعاون سے مقبولیت کے ساتھ تیسری سالگرہ پر دستک دے رہا ہے۔ بقول شکیل اعظمی کے ۔

حقیقتوں کے سفر میں گمان زیادہ ہے یہ زندگی ہے یہاں امتحان زیادہ ہے

ادارہ اپنے تمام معاونین، محبین کا شکریہ ادا کرتا ہے اور ہمیں قوی امید ہے کہ حسب سابق آپ مخلصین کا تعاون جاری رہے گا۔

تقریباً ڈھائی ماہ سے دارالحکومت دہلی کے اطراف واکناف میں کسان بطور احتجاج سڑکوں پر بیٹھے ہوئے ہیں اور حکومت سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ نئے منظور شدہ تین قوانین کالعدم قرار دیے جائیں۔ کیوں کہ یہ قوانین کسانوں کے حق میں نہیں ہیں، تاہم حکومت اس قوانین کو کسانوں کے حق میں مفید بتا رہی ہے، مگر اس کے دلائل افہام وتفہیم سے عاری ہیں، اس لیے کہ راہل گاندھی نے چند دن قبل واضح طور پر تینوں قوانین کو کسان مخالف بتاتے ہوئے کہا کہ ''ان زرعی قوانین سے کسان کو نقصان پہنچے گا۔ پہلا نقصان یہ ہے کہ اس سے مارکیٹ کا نظام ختم ہوگا۔ دوسرا بڑا نقصان یہ ہے کہ ملک کے تین چار بڑے تاجر اپنی مرضی کے مطابق زیادہ سے زیادہ اناج ذخیرہ کر سکیں گے، جس سے کاشت کار متاثر ہوں گے اور تیسرا نقصان یہ ہوگا کہ یہ قانون کسان کو عدالت کا راستہ اختیار کرنے کا حق نہیں دیتا ہے''۔ مذکورہ بالا بیان اور سوشل میڈیا کے پوسٹس، نیز دانش مندوں کے دلائل سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ یہ تینوں قوانین کسان مخالف ہیں، اس وجہ سے حکومت کو چاہئے کہ فوری بل کو واپس لے تاکہ ملک سے افراتفری کا ماحول جلد از جلد ختم ہو اور ہر ایک کو امن کی سانس میسر ہو۔

پھول کھلا دے شاخوں پر پیڑوں پر کو پھل دے مالک دھرتی جتنی پیاسی ہے اتنا تو جل دے مالک
ٹھرا ٹھرا سردی ہے کانپ رہا ہے پورا گاؤں دن کو تپتا سورج دے رات کو کمبل دے مالک

لال قلعہ میں یوم جمہوریہ کے موقع پر جذباتی کسانوں یا کسانوں کے بھیس میں جو مذموم حرکت کی گئی، وہ بہت ہی افسوسناک ہے۔ ادارہ اس بدعملی کی سخت مذمت کرتا ہے اور حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ حقیقی مجرمین کو عبرت ناک سزا دے، تاکہ پھر ان جیسے امور کا اعادہ نہ ہو۔

محمد محامد ہلال اعظمی

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ شبلی نعمانیؒ

ایک دفعہ بنی فزارہ کے ایک شخص نے آپؐ کی خدمت میں ہدیتاً ایک اونٹنی پیش کی، آپؐ نے اس کا صلہ دیا تو سخت ناراض ہوا، آپؐ نے منبر پر کھڑے ہو کر خطاب عام کیا اور فرمایا کہ تم لوگ مجھے ہدیہ دیتے ہو اور میں بہ قدر استطاعت اس کا صلہ دیتا ہوں تو ناراض ہوتے ہو، آئندہ قریش، انصار، ثقیف اور دوس کے سوا کسی قبیلہ کا ہدیہ قبول نہ کروں گا۔

حضرت ایوب انصاریؓ جن کے مکان میں آپؐ چھ مہینہ تک فروکش رہے تھے، آپؐ اکثر ان کو بچا ہوا کھانا بھیجا کرتے، ہم سایوں اور پڑوسیوں کے گھروں میں بھی تحفے بھیجتے تھے، اصحابِ صفہ اکثر آپؐ کے تحفوں سے مشرف ہوا کرتے تھے۔

عدم قبول احسان: کبھی کسی کا احسان گوارا نہ فرماتے، حضرت ابوبکرؓ سے بڑھ کر جاں نثار کون ہو سکتا تھا، تاہم ہجرت کے وقت انہوں نے سواری کے لیے ناقہ پیش کیا تو آپؐ نے قیمت ادا کی، مدینہ میں مسجد کے لیے جو زمین درکار تھی مالکانِ زمین نے مفت نذر کرنی چاہی تھی لیکن آپؐ نے قیمت دے کر لی۔

ایک دفعہ عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں ہم سفر تھے، عبداللہ بن عمرؓ کی سواری کا اونٹ سرکش تھا اور آنحضرت ﷺ کے ناقہ سے آگے نکل نکل جاتا تھا، عبداللہ بن عمرؓ روکتے تھے لیکن وہ قابو کا نہ تھا، حضرت عمرؓ بار بار عبداللہ بن عمرؓ کو ڈانٹتے تھے، آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ سے کہا یہ اونٹ میرے ہاتھ بیچ ڈالو، انہوں نے کہا کہ نذر ہے، آپؐ نے فرمایا نہیں دام لو، انہوں نے دوبارہ عرض کی کہ یوں ہی حاضر ہے، آپؐ نے انکار کیا، بالآخر حضرت عمرؓ نے دام لینے منظور کیے، آپؐ نے خرید کر عبداللہ بن عمر کو دے دیا کہ اب یہ تمہارا ہے۔

عام تشدد: حضرت معاذؓ بن جبل (جو اکابر صحابہ میں سے تھے) ایک محلّہ میں امامت کرتے اور نماز فجر میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے تھے، ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی کہ وہ اس قدر لمبی نماز پڑھتے ہیں کہ میں ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے قاصر رہتا ہوں، ابومسعود انصاریؓ کا بیان ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو کبھی اس قدر غضب ناک نہیں دیکھا، جس قدر اس موقع پر دیکھا، آپؐ نے لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا، بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو لوگوں کو متنفر کر دیتے ہیں، جو شخص تم میں سے نماز پڑھائے، مختصر پڑھائے، کیوں کہ نماز میں بوڑھے، کمزور، کام والے سبھی طرح کے آدمی ہوتے ہیں۔

حدود قصاص میں نہایت احتیاط فرماتے تھے اور جہاں تک ممکن ہوتا درگذر کرنا چاہتے، ماعز اسلمی ایک صاحب تھے جو زنا میں مبتلا ہو گئے تھے، لیکن فوراً مسجد میں آئے اور کہا یا رسول اللہ! میں نے بدکاری کی آپؐ نے منھ پھیر لیا، وہ دوسری سمت آئے، آپؐ نے اور طرف منھ پھیر لیا، آپؐ بار بار منھ پھیر لیتے اور وہ بار بار سامنے آکر زنا کا اقرار کرتے بالآخر آپؐ نے فرمایا کہ تم کو جنون تو نہیں ہے؟ بولے نہیں، پھر پوچھا کہ تمہاری شادی ہو چکی ہے، بولے ہاں، آپؐ نے فرمایا کہ تم نے صرف ہاتھ لگایا ہوگا، بولے نہیں بلکہ مجامعت کی، آخر مجبور ہو کر آپؐ نے حکم سنا دیا کہ سنگسار کیے جائیں۔

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی۔ 9838573645

دیباچوں میں ذکر شبلی کا مطالعہ

دوسرے علمی و تعلیمی اداروں کے حوالہ سے علامہ شبلی کی جو خدمات ہیں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''انھوں نے کئی علمی اداروں کے تخیل، منصوبہ بندی اور تعمیر و ترقی میں اہم کردار ادا کیا جن میں سب سے اہم نام جامعہ عثمانیہ حیدر آباد کا ہے۔ ان کے قائم کئے ہوئے اداروں میں نیشنل اسکول خاص طور سے قابل ذکر ہے جو اب ایک عظیم الشان پوسٹ گریجویٹ کالج کا قالب اختیار کر چکا ہے۔ ندوۃ العلما جن خصوصیات کے لئے جانا پہچانا گیا اور جو علمی دنیا میں اس کی شناخت قرار پائیں وہ سب علامہ شبلی کی دین اور ان کی کوششوں کی مرہون منت تھیں۔ مدرسۃ الاصلاح کی ابتدائی اٹھان میں ان کا ہاتھ رہا، دار المصنفین ان کا خواب تھا جس کو ان کے تلامذہ نے پورا کیا۔ ان کے علمی و فکری ورثہ کا ایک بہت اہم پہلو یہ ہے کہ انھوں نے اپنے تلامذہ کی ایک پوری ٹیم تیار کر دی جس نے ایثار و قربانی کی اعلیٰ ترین مثال قائم کرتے ہوئے ان کے مشن کو پوری قوت اور آب و تاب سے جاری رکھا اور اس کے نتائج خاص طور سے دار المصنفین کی عظیم الشان خدمات کی صورت میں دنیا کے سامنے ہیں''۔ (ایضاً ص ۸۔۹)

علامہ شبلی میں ملی حمیت اور غیرت اسلامی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اس کے ذکر میں پروفیسر اشتیاق احمد ظلی نے لکھا ہے کہ:

''ملی درد مندی کے میدان میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ دنیا کے کسی حصہ میں اسلام پر کوئی حملہ ہویا کہیں بھی مسلمانوں کو زک پہونچے وہ ذاتی طور پر اس کا درد محسوس کرتے تھے اور اس کی مدافعت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے تھے۔ زندگی بھر اسلام کے خلاف اغیار کے حملوں کا دفاع کیا اور اس کے لئے ہمیشہ سینہ سپر رہے۔ برصغیر کے مسلمانوں کو خاص طور سے اپنی تاریخ سے جوڑنا اور ان کے اندر روشن ماضی پر فخر کا احساس پیدا کرنا ایک ایسا کارنامہ ہے جس میں ان کا کوئی شریک و سہیم نہیں''۔ (ایضاً ص ۹)

ظلی صاحب نے جہاں اداروں کے حوالہ سے خدمات شبلی کا ذکر کیا ہے اس میں ایک اضافہ کیا جا سکتا ہے اور وہ ہے ایجوکیشنل کانفرنس اور اس کے ذیلی ادارہ انجمن ترقی اردو، جس کے علامہ شبلی پہلے سکریٹری مقرر ہوئے تھے۔ ان دونوں کے حوالہ سے علامہ شبلی کی خدمات کا بالتفصیل مطالعہ نہیں کیا گیا ہے مثلاً وہ ایجوکیشنل کانفرنس میں پہلی بار کب شریک ہوئے، اور کتنے اجلاسوں میں شریک رہے۔ کیا کیا قرار دادیں پیش کیں، کتنی منظور ہوئیں اور کتنی نامنظور۔ اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے۔ اسی طرح انجمن ترقی اردو کے حوالہ سے بھی محض چند مضامین ہی لکھے گئے ہیں اور خاطر خواہ جائزہ نہیں لیا گیا ہے۔

شبلی صدی مطبوعات میں ایک اہم کتاب ''شبلی شناسی کے اولین نقوش'' دار المصنفین نے شائع کی اسے مشہور محقق پروفیسر ظفر احمد صدیقی نے مرتب کیا ہے، وہ شبلی کے افکار

ونظریات کے بڑے واقف کار ہیں اور شبلی شناسی پر بھی ان کی بڑی گہری نظر ہے، چنانچہ انھوں نے شبلی پر ان کے بزرگ، معاصرین، تلامذہ وغیرہ کی تحریروں کو یکجا کردیا ہے۔ ظلی صاحب نے اس کے دیباچے میں لکھا ہے کہ

''علامہ شبلی کی تصنیفات کو جو قبول عام ملا وہ کم مصنفین کو نصیب ہوسکا، اسی طرح ان کے عہد کے ارباب کمال اور اہل قلم نے جس قدر ان کی تحریروں پر اظہار خیال کیا ہے اتنا شاید ہی کسی ہم عصر مصنف کی نگارشات پر کیا گیا ہو، جس طرح ان کی تصنیفات کے موضوعات میں بڑا تنوع ہے اسی طرح ان کے بارے میں اظہار خیال کرنے والوں اور ان کے تاثرات کی نوعیت میں بھی بہت تنوع ہے۔ یہ تاثرات مادحانہ بھی ہیں اور ناقدانہ بھی۔ ان کے اندر تحسین اور اعتراف کمال بھی ہے اور تنقید بھی۔ کہیں تحسین میں مبالغہ کی آمیزش ہوگئی ہے تو کہیں تنقید میں تندی اور تلخی آ گئی ہے۔ جب معاملہ شبلی جیسے ہشت پہل شخصیت کا ہو تو ایسا ہونا بھی چاہئے، جس طرح تحسین اور اعتراف کمال سے کام کی تحریک ہوتی ہے اسی طرح صحت مند تنقید سے صاحب نظر محقق کو رہنمائی ملتی ہے۔ البتہ جہاں تک معاندانہ تنقید کا تعلق ہے تو اس سے صرف تنقید نگار کے مزاج اور افتاد طبع کا اظہار ہوتا ہے اور اس کے اثرات وقتی ہوتے ہیں''۔

(شبلی شناسی کے اولین نقوش ص ۱۱۔۱۲)

غالباً علامہ شبلی نعمانی واحد ایسے اہل قلم ہیں جنھوں نے رسائل وجرائد میں علمی، ادبی، تنقیدی اور تعلیمی مراسلات لکھے، شبلی صدی کے موقع پر ان کا ایک مجموعہ ''مراسلات شبلی'' راقم کی ترتیب وتقدیم کے ساتھ دار المصنفین سے شائع ہوا اس کے دیباچہ میں پروفیسر ظلی نے لکھا ہے کہ

''قومی وملی مسائل پر مراسلہ نگاری علامہ شبلی کی اولیات میں شامل ہے۔ یہ روایت انھوں نے شروع کی اور انھیں پر ختم بھی ہوگئی۔ اہم ملی مسائل کے سلسلہ میں رائے عامہ بنانے اور عوامی بیداری پیدا کرنے کے لئے علامہ شبلی نے اخبارات میں مراسلات لکھنے کی طرح ڈالی۔ یہ مراسلات نہایت اہم امور ومسائل سے متعلق ہیں اور ان کی ملی دردمندی کے مظہر ہیں، جو ان کی شخصیت کی سب سے نمایاں خصوصیت تھی''۔ (مراسلات شبلی ص ۷)

شبلی صدی کے موقع پر پروفیسر اشتیاق احمد ظلی صاحب نے بانی دار المصنفین کی یاد کو رسمی سے ہٹ کر یادگار بنانے کے لئے جو کوششیں کیں وہ ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی، متعدد اشاعتی سرگرمیوں کا ذکر گذشتہ اوراق میں آچکا ہے اس سلسلہ کا شاید سب سے اہم اشاعتی منصوبہ ماہنامہ الندوہ کی اشاعت تھا۔ اس میں اگرچہ بہت سے مسائل اور دقتیں تھیں تاہم پروفیسر ظلی نے ان پر قابو پالیا۔

ماہنامہ الندوہ جولائی ۱۹۰۴ء میں علامہ شبلی کی ادارت میں نکلا، مئی ۱۹۱۲ء تک علامہ اس کے مدیر رہے۔ اس عرصہ کے تمام شمارے ۹ رجلدوں میں آئے ہیں، انھیں یکجا دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ شبلی نے تن تنہا یہ سب کیسے انجام دیا گو اس میں ان کے طلبہ معاون رہے تاہم خود ان طلبہ کی تربیت بھی ایک بڑا کام تھا، بہرحال دار المصنفین نے اسے شائع کرکے اپنے بانی کو بہت بڑا نذرانہ پیش کیا ہے، اس کی طباعت واشاعت کی تمام تفصیلات پروفیسر ظلی صاحب نے اس کے دیباچہ میں پیش کردی ہیں۔ یہاں ان تفصیلات سے صرف نظر کرتے ہوئے علمی حیثیت سے ظلی صاحب نے جن جذبات کا اظہار کیا ہے اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

''علامہ شبلی کے علمی کارناموں میں الندوہ کو ایک اہم مقام حاصل ہے، وہ علماء کو جس مہتم بالشان کام کے لئے تیار کرنا چاہتے تھے اس کے لئے تحریر وتقریر دونوں میں مہارت ضروری تھی۔ حفاظت واشاعت اسلام کا کام جس کو وہ علماء کا اصل کام سمجھتے تھے اس کے بغیر انجام نہیں پاسکتا تھا۔ خطابت کی مشق وممارست کے لئے انھوں نے جو کوششیں کیں اس کے نمونے دنیا نے اولاً ندوہ کے اجلاسوں میں دیکھے۔ باصلاحیت اور ذی استعداد طلبہ کی تحریری لیاقت کو نکھارنے کے لئے ان کی کوشش الندوہ کے ذریعہ اہل علم کے سامنے آئیں اور حیرت وحسرت کی باعث ہوئیں۔ ان کی دلچسپی اور تربیت سے ندوہ میں ایسے اہل قلم تیار ہوئے جو یگانہ روزگار تھے اور اس ادارہ کی طویل اور نہایت روشن تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے''۔ (الندوہ ج ا ص ۵، ۱۹۰۴ء)

جولائی ۱۹۰۴ء میں الندوہ نکلا اور بڑی شان سے نکلا مگر علامہ شبلی کو اس کے لئے کن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا اس کی تفصیل مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھی ہے، پروفیسر ظلی صاحب لکھتے ہیں:

''الندوہ کی منصوبہ بندی علامہ شبلی کے لئے زیادہ مشکل کام نہ تھا، کالج میگزین کی ادارت کی وجہ سے وہ اس وادی کے نشیب وفراز سے بخوبی واقف تھے، لیکن الندوہ کے اجراء کے سلسلہ میں ان کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، اس کا سبب ان کے ادارتی تجربہ کی کمی نہیں تھی بلکہ اس کا اصل سبب اس سلسلہ میں ارکان اور ذمہ داروں کی عدم دلچسپی تھی۔ تجوید علامہ شبلی کی تھی مگر مجوزہ رسالہ کا مدیر حبیب شبلی مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کو مقرر کیا گیا۔ بڑی تگ ودو کے بعد جب مولانا شروانی کے ساتھ ان کو بھی ایڈیٹر مقرر کردیا گیا تو اجازت کے لئے درخواست دینے کے لئے ناظم صاحب تیار نہیں ہوتے تھے۔ بالآخر یہ مسئلہ مولانا سید عبدالحی صاحب کی توجہ سے حل ہوا۔ انھوں نے اپنے نام سے درخواست دی اور منظوری حاصل کی۔ یہ ایک نمونہ ہے ان مشکلات کا جن کا سامنا ندوے کے سلسلہ میں علامہ شبلی کو قدم قدم پر کرنا پڑا۔ اگر انھیں سازگار حالات ملے ہوتے اور متعلقہ افراد کا بھرپور تعاون حاصل رہا ہوتا تو یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ انھوں نے ندوہ کی تعمیر وترقی کے لئے اور کیا کچھ نہ کیا ہوتا اور اپنے اس عزیز ادارے کو جس کے لئے انھوں نے سب کچھ تج دیا تھا مزید کن بلندیوں تک پہونچانے میں کامیاب ہوئے ہوتے''۔ (ایضاً ص ۵-۶)

ماہنامہ الندوہ کے بڑے دیرپا اثرات مرتب ہوئے، مولانا سید سلیمان ندوی نے ان کا ذکر حیات شبلی میں کیا ہے، راقم نے بھی اپنی کتاب آثار شبلی میں الندوہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، پروفیسر اشتیاق احمد ظلی صاحب نے بھی اپنے دیباچہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

الندوہ کا ایک بہت اہم پہلو تصنیف وتالیف کے لئے طلبہ کی تربیت ہے، علامہ شبلی ہمیشہ اس کی طرف متوجہ رہے اور الندوہ کے زمانہ اشاعت میں اس پر ان کی خاص توجہ مرکوز رہی، پروفیسر اشتیاق احمد ظلی نے بھی اس پر اظہار خیال کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''علامہ شبلی کو مولانا عبدالماجد دریابادی نے مصنف گر کے خطاب سے یاد کیا ہے۔ ان کی مصنف گری کا سب سے بڑا اسٹیج یہی رسالہ تھا۔ وہ بڑے جوہر شناس

تھے، جہاں بھی ان کو جو ہر قابل نظر آتا اس کو اپنے دامن تربیت میں لے لیتے اور اس کی صلاحیتوں کو صیقل کر کے ان کو چار چاند لگا دیتے۔ ان کی نگاہ انتخاب میں جو لوگ خصوصی تربیت کے لائق نظر آتے ان کو الندوہ کا سب ایڈیٹر مقرر کر دیتے اور ان کو اپنی نگرانی میں نہ صرف تحقیق وتصنیف کے گر سکھاتے بلکہ رسالہ کی ادارت اور ترتیب کی ٹریننگ بھی دیتے اور اس سلسلہ میں کوئی رو رعایت روا نہ رکھتے۔ اس کام کے لئے انھوں نے جن لوگوں کا انتخاب کیا وہ علم وادب اور تحقیق وتصنیف کے میدان سے منتخب روزگار بن کر نکلے اور ایک عالم کو اپنے علم وفن کی ضیا پاشیوں سے منور کیا۔ اس زمرہ میں مولانا عبداللہ العمادی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا عبدالسلام ندوی جیسی یگانہ روزگار شخصیات شامل ہیں"۔ (ایضاص ۷)

سرسید کے سو سالہ جشن ولادت کے موقع پر دار المصنفین نے ماہر سرسید پروفیسر اصغر عباس کی کتاب "شذرات سرسید" شائع کی، پروفیسر اشتیاق احمد ظلی نے اس کے دیباچہ میں بھی شبلی کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ

"سرسید اور کالج سے علامہ شبلی کی نسبتیں متعدد تھیں۔ کالج کے منتخب روزگار اساتذہ میں صرف علامہ شبلی کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ وہ اپنی کم عمری کے باوجود سرسید کے رفقا میں شامل تھے۔ سرسید اور کالج سے ان کے تعلق کے بارے میں کسی تفصیل کا یہ موقع نہیں البتہ اتنا کہے بغیر چارہ نہیں کہ علامہ شبلی کی زندگی کے اس پہلو کا ابھی تک اس طرح مطالعہ اور تجزیہ نہیں ہو سکا ہے جو اس کا حق تھا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس سلسلہ میں بہت سی ایسی غلط فہمیاں راہ پا گئی ہیں جن کا حقیقت واقعہ سے کوئی واسطہ نہیں"۔ (شذرات سرسید ص ب)

حضرت عبدالرحمن جامیؒ۔ حیدرآباد

دُعاء

اے خدا میری آرزو ہے یہی
میرا ہر لمحہ کام میں گزرے

میں سدا کام آؤں لوگوں کے
میری جانب سے اب کسی کو بھ ی

نہ زیاں اور نہ کچھ ضرر پہنچے
دوست تو دوست ہیں مصیبت میں

اپنا دشمن بھی گھر نڈر پہنچے
تیری مخلوق کے میں کام آؤں

یہی سب سے بڑی عبادت ہے
جو حسد میں ہیں مبتلا ان کو

راستی کی طرف ہدایت دے
چند شاعر جو مجھ سے جلتے ہیں

شر سے ان سے مجھے بچائے رکھ
پیار ہر دل میں تو بسائے رکھ

مولانا حبیب الرحمن۔حیدرآباد

نجات کا اٹل قانون

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ (الحج ۱۹) "یہ دو گروہ ہیں جو اپنے رب بارے میں جھگڑ رہے ہیں"۔

اللہ ہی کو اکیلا رب ماننے کی بنا پر اصحاب کہف کو اپنی جان بچانے کے لیے غار میں پناہ لینا پڑا (الکہف ۱۶) ابراہیم علیہ السلام سے اللہ ہی کے تنہا و اکیلے رب ہونے کی بنا پر جھگڑا کیا گیا (البقرہ ۲۵۸) مکہ میں نبی ﷺ تیرہ سال تک یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا "اے لوگو! لا الہ الا اللہ کہو اور فلاح پا جاؤ" کی دعوت دینے پر آزمائش رہی اور مکہ سے ہجرت کرنا پڑا اور اللہ ہی کو اپنا رب ماننے کی بنا پر صحابہ کرامؓ کو مکہ سے نکالا گیا، جیسا کہ ارشاد ہے۔

اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ (الحج ۴۰) "یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کے گھروں سے محض اس لیے نکالا گیا کہ انہوں نے کہا کہ صرف اللہ ہی ہمارا رب ہے"۔

ہر زمانہ میں اللہ ہی کا اکیلا و تنہا خالق و پروردگار ہونا مانا گیا ہے۔ اس لیے تمام پیغمبروں نے اپنی قوموں کو یہی مسلمہ بات یاد دلاتے ہوئے اسی کی روشنی میں اپنے عقائد کے متعلق غور کرنے کی دعوت دی ہے مثلاً فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ (اعراف ۵۹) "پس پیغمبر نے کہا اے میری قوم! صرف اللہ ہی کی عبادت کرو کیونکہ اس کے سوا کوئی بھی تمہارا معبود (حاجت روا، مشکل کشا، داتا) نہیں ہے"۔ یہی بات اسی سورہ کی آیت ۶۵،۷۳،۸۵ کے علاوہ متعدد جگہوں پر بھی بیان ہوئی ہے۔

ایمان والے جب بھی الٰہی و نبویؐ تعلیمات سے ذرا بھی غافل ہوئے تو شیطان ان کو لا الہ الا اللہ کے خلاف باتوں میں مبتلا کرتا آیا ہے اور ایسا کرنے کا شیطان نے رب کو کہا ہے:

ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَیْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِیْنَ (اعراف) "پھر ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے آؤں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا"۔

اصلی و حقیقی بگاڑ پرورش، حاجت روائی، مشکل کشائی اور فریادرسی میں ہے جس میں مسلمان (الا ماشاء اللہ) بری طرح مبتلا ہیں۔ چنانچہ رب کے سوا یا ساتھ مردہ و غائب ہستیوں کو عارضی، مجازی اور عطائی طور پر ہی سہی حاجت روا، مشکل کشا، فریادرس، گنج بخش داتا، غوث، خواجہ غریب نواز، بندہ نواز اور سفارش کرنے والے سمجھتے ہیں، حالانکہ کھاتے پیتے تو ہیں اللہ کا دیا۔ مگر سمجھتے ہیں کہ یہ بزرگوں کا فیض و کرم ہے۔

اللہ کے نظام پرورش میں دوسرا بگاڑ، جادو، عمل عملیات، تعویذ، گنڈہ، جھاڑ پھونک، سایہ سپٹ، دم، نحوست و برکت، شگون، نظر، ستاروں کے کھیل، قرآنی آیات و سورتوں کے ورد کرنے سے یا ختم قرآن یا درود کی مجالس یا آیت کریمہ کے دسترخوان سے برکت ہونے یا مشکل و مصیبت کے دور ہونے کے عقائد ہیں۔ ان باتوں کو ماننا دراصل دنیا

دارالاسباب میں بلا اسباب کے بھی نظام کو ماننا ہے، جس کا حقیقت میں کوئی وجود ہی نہیں ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی الْاٰخِرَةِ (غافر ۴۳) "یہ قطعی ویقینی بات ہے کہ جس چیز (شرک) کی طرف تم مجھ کو بلا رہے ہو اس کا ذرا سا بھی ثبوت نہ دنیا میں ہے نہ آخرت میں"۔

یہ تمام محض شیطان کے پیدا کردہ وہم وگمان ہیں چونکہ ایسے تمام عقائد اللہ کے بے حد اٹل نظامِ پرورش کے صریحاً ضد وخلاف ہیں اور ان عقائد میں مبتلا ہونے سے بنی آدم کو جن نقصانات سے دوچار ہونا پڑے گا ان کو بیان کر دیا گیا، مثلاً:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِیْمًا (النساء) "اللہ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور گناہ میں سے جس کو چاہے بخش دے اور جس نے اللہ کا شریک مقرر کیا اس نے بہت بڑا بہتان باندھا"۔

سورہ النساء میں شرک کرنے والے کو فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا "وہ تو گمراہی میں بہت دور نکل گیا" فرمایا گیا ہے۔

اِنَّهٗ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ (المائدہ ۷۲) "جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرے گا اللہ اس پر جنت کو حرام کر دے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے"۔

وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (الانعام) "اور ان لوگوں نے شرک کیا ہوتا تو ان کا سب کیا کرایا غارت ہو جاتا"۔

سورہ الزمر ۶۵ میں فرمایا گیا کہ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ "اے نبیؐ! اگر آپ بھی شرک کرتے تو آپؐ کے بھی تمام اعمال حبط کر دیئے جاتے"۔

شرک کی گندگی سے بچنے کے لیے حسب ذیل حقائق کا علم دیا گیا:

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى (النمل ۸۰) "بے شک تم مُردوں کو نہیں سنا سکتے" یہی بات سورہ الروم ۵۲ میں بھی فرمائی گئی ہے۔ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ (فاطر) "اے پیغمبر! آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں مدفون ہیں" اس اٹل حقیقت کو سن لینے کے باوجود بعض یہ کہتے ہیں کہ "مُردے نہیں سن سکتے" کی بات قرآن میں کہاں ہے؟

حالانکہ سورہ الفاطر میں فرما گیا:

اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا یُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِیْرٍ "فوت شدہ افراد کو (چاہے وہ پیغمبر ہی کیوں نہ ہو) اگر تم پکارو گے تو وہ تمہاری پکار نہیں سن سکتے، ولو فرض سن بھی لیں تو وہ تمہاری بگڑی نہیں بنا سکتے (حالانکہ تم ان کو بگڑی بنانے کے لیے ہی پکارتے ہو) اور حشر کے دن تمہارے شرک کا انکار کریں گے اور تم کو خبر رکھنے والے اللہ کی طرح کوئی بھی نہیں بتا سکتا"۔

یہاں پکار نہ سننے کی بات کہی گئی ہے۔ کیا یہ حضرات اس کے بعد بھی پکار نہ سننے کی بات کو جھوٹ کہہ سکتے ہیں جو ناممکن ہے۔ تو ماننا پڑے گا کہ مرنے کے بعد چاہے پیغمبر ہی کیوں نہ دنیا والوں کی پکار نہیں سن سکتے۔ چنانچہ اس حقیقتِ واقعہ کو قرآن میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ یعنی پیر/پیغمبر زندوں کی پکار/نذر/نیاز/فاتحہ/درود سے حشر تک قطعی لاعلم اور بالکل بے خبر رہتے ہیں۔

ڈاکٹر آصف لئیق ندوی۔لیکچرار مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

اولاد کی تعلیم وتربیت کا بگڑتا رجحان: آخراس کا ذمہ دار کون؟!

اسلام مذہب دین ودنیا کے وسیع مجموعے اور انفرادی و اجتماعی زندگی کے اعلی اور معیاری اخلاق کا نام ہے، جو ہمیں صحیح ایمان وعقیدہ کیطرف بھی رہنمائی کرتا ہے اور اپنی شریعت مطہرہ کے ذریعے پوری انسانیت کیساتھ عدل وانصاف کا نظام اور اخوت ومحبت کے ماحول قیام چاہتا ہے اور سبھوں کیلیئے پاکیزہ اصول اور بہترین دستورحیات کی مانند ہے، کیونکہ "الاسلام دین و دنیا... عقیدة و شریعة "۔اسی لیے مذہب اسلام ایک دین فطرت بھی ہے اور قرآن مجید ایک مکمل ضابطہ زندگی ہے۔ یہ دین پوری انسانیت کی فلاح وبہبود کا ضامن، دنیاوی زندگی میں امن وسکون کا داعی اور اخروی زندگی میں راحت وآرام کا پیامبر ہے۔اسلام کی عظمت وبرتری قران پاک میں یوں بیان کی گئی ہے کہ: اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (پ۳،آل عمران: ۹۱) ترجمہ: بے شک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے۔

نیک اولاد کا ہمارا خواب: اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید کی آیت، انبیاء کی سیرت، رسول اکرم کے اسوہ حیات اور انکے متبعین کی فکر وبصیرت سے ایسے حقائق واحوال منعکس و منضبط ہوتے ہیں، جن سے مطیع وفرمانبردار اور نیک اولاد کی طلب وجستجو اور انکی ضرورت واہمیت کا پتہ چلتا ہے اور انکی بہترین تعلیم وتربیت کے احکامات وفرمودات بھی ملتے ہیں تاکہ تمام اولاد اپنے والدین کے لیے بھی اور دوسروں کے لئے بھی نفع کا ذریعہ، آنکھوں کی ٹھنڈک، زندگی اور مرنے کے بعد بھی نفع رسانی اور عزت وافتخار کا باعث بن سکیں، انبیاء کرام اور انکی ازواج کا نیک اولاد کیلیئے خدا سے منت وسماجت کرنے اور متعدد دعاؤں کے ذریعے صالح اولاد کی خوشخبری وبشارت کا آسمان سے اترنے کا حسین تذکرہ اللہ کی عظیم کتاب قرآن مجید میں جابجا ملتا ہے۔

بے شک اللہ ہم سبھوں کی دعاؤں کا بھی سننے والا ہے، وہی ہمیں اناث وذکور اولاد واطفال سے نوازتا ہے، میاں بیوی کی دلی خواہش کو پورا کرتا ہے اور وہی پروردگار مال واولاد جیسی نعمتوں سے ہماری مدد واعانت بھی فرماتا ہے، کیا ہم اس انعام الہی اور لطف خداوندی کی کماحقہ قدردانی بھی کرپاتے ہیں؟ ان کی پرورش وپرداخت اور ان کی اسلامی تعلیم وتربیت میں ان قرآنی مطالبات اور نبوی ارشادات کی رعایت ولحاظ کرتے ہیں؟ اور ان نقوش وخطوط کی تکمیل کرپاتے ہیں جن کی علماء وماہرین نے اولاد کی تعلیم وتربیت کے لیے ضروری قرار دئے ہیں؟ اولاد کی تعلیم و تربیت اور ان کی نگرانی ونگہداشت میں کیا ہمارے گھروں میں ان اصولوں کی پابندی ہوتی ہے؟ تاکہ وہ بچے اور بچیاں مستقبل میں نیک کردار، پاکیزہ سیرت، اچھی ذریت، بہترین دولت وثروت حتی کہ متقیوں کے امام وپیشوا کہلانے کے مستحق بن سکیں؟ جو پورے خاندان ومعاشرے کے لئے بھلائی کا سرچشمہ، سکون کا سبب، زینت کا باعث یا کم ازکم اپنے والدین کے لئے فخر واعزاز کا ذریعہ بن سکیں؟ اور اللہ اور اسکے رسول کے مختلف فرمان کا مصداق بن سکیں مثلاً "المال والبنون زينة الحياة الدنيا "یعنی مال واولاد دنیوی زندگی کی زینت ہیں اور نبوی فرمان کے جامع وپیکر بن کر زندگی بسر کرسکیں، جسکا لب لباب یہ ہے کہ نیک اولاد والدین کیلیئے صدقہ جاریہ کی مانند ہوتے ہیں۔

افسوسناک مشاہدات وحالات: مگر افسوس! مشاہدات و

حالات حقیقت وواقعیت کی الٹی ترجمانی پیش کرر ہے ہیں، ہمارے معاشرے کی لائیوصورتحال کچھ اور ہی بتارہی ہیں، غرض کے تربیت کا نقشہ الٹا نظر آرہا ہے، آخر کیوں؟ اولاد کی رغبت کے وقت جو جذبات واحساسات والدین کے دلوں میں موجزن ہوتے ہیں، عین ولادت کے بعد بالخصوص انکی تعلیمی وتربیتی پرورش وپرداخت کے وقت وہ ارادے بالکل بدل جاتے ہیں،! اولاد کی صحیح تعلیم وتربیت، اسلامی پرورش وپرداخت میں ہم سے جہاں جہاں بھی کوتاہیاں ہوتی ہیں، ہمیں بعد میں اپنی لاپرواہیوں کی جزاوسزا دنیا ہی میں ملنے لگتی ہے! کبھی کبھی ہم خون کے آنسو بہانے پر مجبور ہوجاتے ہیں! خلاصہ یہ کہ ہم اپنے بعض طرز عمل سے دین کی ناقدری اور دنیا کی حرص وہوس والی سوچ وفکر کی انہیں حامل بنادیتے ہیں، بچے کے دلوں میں اخلاقی و روحانی لاپرواہی والی سوچ وفکر والدین سے سرایت کر جاتی ہے، جوروش اسلامی تعلیم وتربیت کے سلسلے ہمارے سماج ومعاشرے میں پائی جاتی ہے، یہاں تک کہ ہمارے موجودہ سماج میں دینی بے راہ روی اور اسلامی کج روی کا رجحان ومیلان بچوں پر غیر مفید اثرات و مضرات مرتب کررہا ہے، جنکے منفی نتائج سے ہمارا پورا سماج ومعاشرہ جوجھ رہا ہے، بلکہ تقریبا ہر گھر میں اسکا غلط اثر ظاہر ہورہا ہے، موبائل اور انٹرنیٹ کی دنیا سے جو خرابیاں اور بداخلاقیاں ہماری اولاد میں روز بروز منتقل ہورہی ہیں، اللہ ہمیں معاف کرے! جو نہایت ہی خطرناک اور افسوسناک ہیں، جس میں والدین اور گھر والوں کے قصور ولاپرواہی کا بھی دخل ہے جس سے انکار کی گنجائش نہیں! بیشتر والدین کا خودکو دین اسلام کے مہمات وفرائض سے دوری بنائے رکھنا اور اولاد کی اچھی تربیت سے لاپرواہی برتنا بھی اولاد کے نافرمان بننے کا سب سے بڑا سبب ہے، جس پر والدین کو فوری کنٹرول حاصل کرلینا چاہیے۔ اور اولاد کو مزید بگڑنے سے فوراًاللہ کی پناہ میں آجانا چاھئے۔ ورنہ بعد میں اسکے اتنے گہرے مضر اثرات ہونگے جسکا ہمیں گمان بھی نہیں ہوگا۔ سچی بات یہی ہے کہ الولد سر لابیہ . بیٹا باپ کا نمونہ ہوتا ہے، جب والدین ہی لاپرواہ ہیں تو پھر شکایت اور رونا کس بات کا؟!.

اپنے بچوں کے اسلامی مستقبل کا انحصار صرف معمولی ٹیوشن، نورانی قاعدہ، قرآن کی تلاوت اور بعض فرائض دین اسلام کی رسمی تعلیم پر محدود کردینا اور بچوں سے مطیع وفرمانبرداری کی امید وابستہ کرلیتا بے سود ولاحاصل ہے! جو والدیں کی بڑی غلطیوں میں سے بہت بڑی غلطی ہے! کیونکہ جیسا آپ بیج بوئیں گے پھل ویسا ہی حاصل ہوگا! اپنے بچوں کی معمولی تعلیم وتربیت سے بہترین مستقبل کی توقع رکھنا ہماری خام خیالی تو ہوسکتی ہے مگر روشن مستقبل کی ضامن نہیں! جب تک آپ انہیں انبیاء کرام کے قصے، حضور اور انکے اصحاب کی سیرت کی کتابیں، اولیاء اللہ اور علماء عظام کی سیرت وسوانح کے مطالعے اور انکے مزاج کا حامل نہیں بنادیتے اور علماء کی قدر اور انکی صحبتوں کا انہیں پابند نہیں کردیتے۔ اسوقت تک کسی بھی خیر وبھلائی کی اپنی اولاد سے امید وابستہ رکھنا محال ودشوار ہوگا!! کیونکہ صحبت صالح ترا صالح کند! وصحبت طالح ترا طالح کند۔۔۔ اچھوں کی صحبت آپ کو اچھا بنائے گی اور بروں کی صحبت آپ کو برا بنائے گی۔

غرض کہ ہمارے بچے اگر مطیع وفرمانبردار نہیں ہیں تو اس میں ہماری کوتاہی و لاپرواہی کا بھی خاصا دخل ہے! ہمیں اپنی کمزوریوں کو بھی دور کرنے کی شدید ضرورت ہے، ہم تو دینی تعلیم وتربیت کیلئے اپنے بچوں اور بچیوں کو مساجد میں صباحیہ اور مسائیہ مکتب پر موقوف کردیتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ ہم نے اپنی دینی ،اسلامی اور اخلاقی ذمہ داری پوری کردی؟! حالانکہ آپ کو بھی معلوم ہے کہ وہاں بچوں کی تعداد اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ بیچارے ایک یا دو مولوی صاحب اتنے زیادہ بچوں اور بچیوں کو چند منٹوں کے کلاس میں کیسے سنبھالیں! کس کو پڑھائیں اور کس کو نہیں پڑھائیں! یہی سوچتے سوچتے مغرب کی اذان ہوجاتی ہے اور بچوں کو چھٹی دے دی جاتی ہے!! بھلا ایسے مکتب کی تعلیم پر اپنے بچوں کا دینی انحصار

کردینا کتنا مفید بخش ہوسکتا ہے؟ ہر صاحب عقل آسانی سے بتا سکتا ہے، ایمانی وروحانی تربیت کا مرحلہ ابھی پہونچا بھی نہیں تھا کہ ہمارے بچے مکتب سے فارغ ہوگئے؟!۔ نتیجہ جو کچھ بھی ہے وہ آپکے سامنے ہے۔ یا آپ خود موجودہ ماحول اور اسکے منفی اثرات سے اسکا روز زآنہ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ حالانکہ اسلام مخالف، دین بیزاری والے ماحول میں اولاد کی صحیح تعلیم وتربیت کا پختہ اہتمام و انتظام پہلے سے دسیوں گنا بڑھ کر کرنا لازم ہوتا ہے۔ تاکہ اسلام دشمن اور یہ ناموافق وناسازگار ماحول انہیں اپنا ہدف نہ بنا سکے۔

تعلیم پر ہماری اور حکومت کی سیاست: مگر ہماری اولاد عمر کے ہر مرحلے سے گزرنے کے باوجود بھی دین وشریعت کی ٹھوس تعلیم وتربیت سے محروم رہ جاتی ہیں، بچوں کو عصری تعلیم دلانے کے ہم نہ تو مخالفت کررہے ہیں اور نہ اس تحریر سے یہ دعوت دی جارہی ہے! بلکہ دینیات واسلامیات کی پختہ تعلیم فراہم کرانے کی وکالت کررہے ہیں، تاکہ بچوں کا مزاج دینی واسلامی بن سکے، یہی ہمارے مضمون کا حاصل ہے! بیشتر مسلم معاشرے اور موجودہ ہندوستانی سماج کا ہر ناحیے سے جو براحال ہے، ایسے میں اسلامی تعلیم وتربیت کے لیے کسی غیر معیاری ادارے اور غیر مستحکم نظام تعلیم پر توکل کرکے اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانا ہماری بڑی غلطی ہوگی، ہماری ہی لاپرواہی کے سبب ایسے معاشرے اور افراد کا ظہور ہورہا ہے جو خود اسلام کے تئیں شکوک وشبہات اور وساوس وغلط افکار کی زنجیروں میں پہلے سے ہی بری طرح جکڑے ہوئے ہوتے ہیں، جن کو اسلام مخالف تنظیمیں آسانی سے اپنا ہدف بنالیتی ہیں، جو ہم مسلمانوں کیلئے کے لیے بڑا لمحہ فکریہ ہے، ہماری پوری زندگی برباد ہوجانے کا خدشہ ہے، جو ہر والدین کیلئے دردسر اور پریشانی کا باعث بنا ہوا ہے، افسوس تو اسوقت اور بڑھ جاتا ہے کہ اگر کوئی اس کمی کو پورا کرنے کے لیے تعلیم وتربیت کا کوئی معقول نظام یا معیاری ادارہ قائم کرنا بھی چاہتا ہے تو ہم ان کے سامنے آسانیاں پیدا کرنے کے بجائے مسائل ومشکلات کا طوفان کھڑا کردیتے ہیں یا ان کے راستوں میں ہمارا پورا مسلم معاشرہ یا بعض منفی سوچ وفکر کے حامل افراد روڑے اٹکاتے لگتے ہیں، آخر ان خطرناک اور افسوسناک صورتحال کا حقیقی ذمہ دار کون ہے؟ بیچارے ان مولویوں کو صرف اس لیے بدنام کرکے رکھ دیا گیا ہے کہ جب دیکھو وہ رسید اور مدرسے کے تقاضوں کو لے کر سامنے حاضر ہوجاتے ہیں، جبکہ موجودہ حکومت کا مدارس کے تئیں جو ظالمانہ رویہ ہے وہ نہایت افسوسناک اور قابل رحم ہے۔ اگر خدانخواستہ یہ مدارس بند کردیے گئے جیسا کہ گورنمنٹ بھی یہی ارادہ ظاہر کررہی ہے تو پھر دین اسلام کا حقیقی محافظ کون بنے گا؟! ذرا ٹھنڈے دل سے اس پر سوچیں!! غور وفکر کریں۔ کہ مدارس دینیہ اسلام کے قلعے اور اسکی انجمن اور دین ودنیا میں امن وامان کے ضامن ہیں، نعوذ باللہ اگر وہی ادارے مٹادئے گئے یا اسی طرح قید وبند کا سلسلہ طویل ہوتا رہا تو ہمارے سماج واولاد میں دینی واسلامی ایندھن بانٹنے کا نظام وانجن کا سلسلہ کیسے چلے گا؟! اس لیے مدراس ومکاتب کو پہلے سے زیادہ مستحکم کریں اور اسکے قیام کو علما ودانشوران سے مل کر خوب وسیع کریں! اور انکے پکے محافظ وپاسباں بنیں! انکا دامے درمے قدمے سخنے ہر طرح سے تعاون کرتے رہیں۔ آپکی اولاد کو یہی ادارے اور علماء دین ہی زمین سے آسمان، تنزلی سے ترقی، بدحالی سے خوشحالی، برائی سے اچھائی اور بددینی سے دینداری کی طرف سفر کراتے ہیں اور وہی ان کے مضبوط ومستحکم وسائل وذرائع ہیں۔ آپکے اور ہمارے بچوں کو صحیح تعلیم وتربیت وہی علما ومدارس فراہم کرتے ہیں۔

یادرہے کہ بچپن کا زمانہ تحصیل علم ومعرفت کا بہترین زمانہ ہوتا ہے، بچے کو بچپن سے ہی وقت کو قیمتی بنانے، واہیات کے کاموں، پبجی جیسے گیموں، موبائل کی بے شمار خرابیوں اور تضییع اوقات کے مشاغل وامور کے گھیرنے سے قبل فراغت وصحت سے کام لینے کی ترغیب دینا جتنی گارجیں، والدین اور گھر کے تمام ذمہ دار حضرات کی بڑی ذمہ داری بنتی ہے، اتنی ہی ذمہ داری کسی اسکول ومدرسہ کے

معلم، مدرس، استاذ، مہتمم، ناظم، پرنسپل، ڈائریکٹر، یونیورسٹی کے پروفیسر، چانسلر، وائس چانسلر کی بنتی ہے!اور اسی طرح تمام ارباب حکومت اور وزیر تعلیم کی بھی ذمہ داری سب سے اہم اور کسی سے کم نہیں ہے؟! مگر آج اسمیں بھی سیاست شروع ہوگئی ہے اور حکومت نے اس کا نظام درہم برہم کر کے رکھ دیا ہے، تعلیم وتربیت کے نظام کو بھی بھگوا رنگ میں رنگنے کی گھناؤنی سازشیں ہو رہی ہیں، اسلام کو زیر اور ہندو مذہب کو فروغ دینے کے حیلے ہو رہے ہیں، کورونا کے عالم میں یہی سب کچھ ہمارے ملک میں دیکھنے کو ملا ہے، تعلیم کو بھی اپنی گندی سیاست کا اڈہ بنا دیا ہے، جو آپ کی آنکھوں سے بھی اوجھل نہیں ہے، وہ لوگ چاہتے ہیں کہ عوام جاہل بنی رہے، اور ہم حکومت کے مزے لیتے رہیں اور پورے ملک کو ہندو راشٹریہ بنا کر رکھ دیں، ہم ایسا قطعاً ہونے نہیں دیں گے! آج کورونا کے بہانے سارے ادارے ظاہراً ڈھپ ہو کر رہ گئے ہیں، شراب کی دوکانیں تو کھلی ہیں اور لوگ خوب شراب پی رہے ہیں۔ مگر نعوذ باللہ تعلیمی ادارے، تمام اسکول و کالجز آف لائن بند ہیں۔ آن لائن نظام تعلیم جو چل رہا ہے۔ وہ آپ کو پتہ ہوگا کہ کیا ہو رہا ہے، بلکہ بچے اور خراب ہوتے جا رہے ہیں، آن لائن تعلیم کے بہانے موبائل کی کس دنیا میں پہونچ جا رہے ہیں؟ جو نفع بخش ہونے کے بجائے نقصاندہ ثابت ہو رہا ہے، اور حکومت کا یہی مقصد ہے جو حاصل ہو رہا ہے، ہمارا حکومت سے سوال ہے کہ کیا کورونا صرف اسکول اور کالجز میں ہی تعلیم حاصل کرنے ہی آیا ہے۔ جسکی وجہ سے تمام مدارس و مکاتب بھی بند کر دیے گئے۔ ہائے رے افسوس! ہائے رے ہماری عقل!! الیس منکم رجل رشید؟

طالب علم کی بھی اپنی بڑی ذمہ داری: اسی طرح طالب علم کے اوپر بھی یہ لازم ہوتا ہے کہ وہ اپنی مصروفیات و مشغولیات کا محور صرف اور صرف حصول علم و معرفت کو بنائے، حضرت امام نووی رح تنبیہ فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ "طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ وہ فراغت و فرصت، زمانہ شباب، بدن کی قوت اور دل جمعی کو بیکار کر دینے والے امراض و عوارض کے لاحق ہونے سے قبل تحصیل علم کو غنیمت جانے"۔ اپنے بچوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کی اہمیت و ضرورت اور اس کی ناقدری کی ممانعت والی حدیث کا جامع بنائیں، جس کا مفہوم ہے کہ "صحت اور فراغت نعمت الٰہی میں سے ہیں، بہت سے لوگ وقت اور صحت کے متعلق خسارے میں واقع ہیں" (سنن دارمی: 297) اسی طرح حضرت امام برہان الدین زرنوجی رح طلبا کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ "طالب علم کو چاہیے کہ وہ وقت سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے، خوب فضیلت حاصل کریں۔ (تعلیم المتعلم 89)۔

یقیناً انسانوں کی عمر بہت محدود ہے اور علم بہت زیادہ ہے، عصری بھی اور دینی بھی، حصول علم کے لیے بہت ضروری ہے کہ وقت کے ایک ایک لمحے اور سکنڈ سے کام لیا جائے، اسے ہرگز ضائع نہ کیا جائے، حکومت کی ناپاک پالیسیوں کو ناکام بنا دیا جائے، خلوت اور راتوں کو بھی بطور خاص غنیمت سمجھا جائے اور اس سے خوب فائدہ اٹھایا جائے۔ تبھی مسلم نوجوانوں کا اس ملک میں گزارہ ممکن ہو سکے گا۔

کیونکہ نوجوان کے افکار و خیالات کسی بھی قوم کی ترقی و انحطاط کا اصل منبع ہوتے ہیں، جس قوم کے نوجوان اپنی قوم کی ترقی کے لیے فکرمند و کوشاں رہتے ہیں، وہ قوم ترقی کی منزلیں طے کرتی ہے اور کرتی ہی چلی جاتی ہے اور جس قوم کے نوجوان غفلت و لا پرواہی اور اپنی قوم کے بارے میں لاابالی پن کا شکار ہوتے ہیں، وہ قوم دھیرے دھیرے نیست و نابود ہو کر رہ جاتی ہے، اس کے تار نفس کو ٹوٹنے کے لیے کسی بڑی آندھی کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ ہلکی ہلکی ہوا بھی اس کو زمین بوس کرنے کے لیے کافی ہوتی ہے، آج امت مسلمہ جن حالات سے دوچار ہے اور بالخصوص ملک ہندوستان میں انکے خلاف سازشوں کا جو بازار گرم ہے، وہ ہماری

اور ہمارے نوجوانوں کی غفلتوں اور ذمہ داروں میں کوتاہی ولاپرواہی کا نتیجہ ہے، ہم نے غفلت ولاپرواہی کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے، اپنے اندر کے جذبات واحساسات کو پوشدہ رکھ کر ہم آپس میں الجھے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے سے شانہ بشانہ دینی امور کے ساتھ ٹھٹھا اور مذاق کررہی ہیں، ہمیں دلی سکون کیسے ملے گا، ہمارے نوجوان اور ہماری اولاد تو نشے کا عادی بنتی جارہی ہیں، ان کے ذہن میں ہر وقت نئے نئے غلط خیالات جنم لے رہے ہیں، جبکہ ملک کی موجودہ سرکار ہماری ترقی کی مخالف ہے، ملک کی معیشت کا بدحال ہے، پورا ملک پریشان ہے، مسلم نوجوانوں کو آگے بڑھنا چاہیے اور اپنی اولاد کو بھی ملک کی دیکھ بھال کے لیے تیار کرنا چاہیے ورنہ مزید بجلیاں گرسکتی ہیں، اور ہمارے پورے نشیمن کو خاکستر کرسکتی ہیں؟ چند لمحوں کے لیے سوچئے اور انداز تفکر بدلیے اور مستقبل کے خطرات اور چیلنجز کا سدباب یا مقابلہ کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوجایئے اور حقیقی صورتحال کا ادراک کیجئے؟ آخر کب تک ہم خواب غفلت میں مدہوش رہیں گے! اللہ کے واسطے اب بیدار ہوجایئے!!

خلاصہ کلام: انتہائی افسوس کی بات ہے کہ آج کل چہار جانب سے بڑی کوتاہیاں دیکھنے کو مل رہی ہیں، والدین کو اولاد سے صرف دنیا اور دولت وکمائی کی فکر باقی رہ گئی ہے، دین اسلام سے دونوں کو بے رغبتی ہوگئی ہے، بیشتر استاد و معلم کو صرف اپنی ماہانہ تنخواہ کی طلب رہ گئی ہے، حکومت بھی اس سلسلے میں بالکل مخلص و خیرخواہ نہیں رہی!! طالب علم کا مقصد حیات بھی نظروں سے اوجھل ہوگیا ہے، بیشتر طالب علموں پر بدمحنتی، کاہلی، سستی اور محنت ولگن پر تن آسانی کو ترجیح دینے کا غلبہ ہے، انہوں نے فارغ البالی اور دوسری فضول چیزوں کو مقصد حیات سمجھ رکھا ہے، فضولیات سے لطف اندوزی اور دلجمعی ان کا مقصد حیات بن گئی ہے، پڑھنے کے لئے ان کے پاس اب کوئی وقت نہیں رہا! بلکہ کھیل تماشہ کیلئے انکے پاس وقت ہے، مگر تعلیم اور حصول درجات ومنازل کیلئے انکے پاس وقت کی تنگی ہوگئی ہے، جب آج کے طلبا وطالبات کا یہ حال ہے تو امت اور اس کے افراد کا کل کیا حال ہوگا؟ اسلام اور اسکی تبلیغ تو بے معنی بن کر رہ گئی ہے، تقریباً ہر گھر اور ہر فرد کا یہی حال ہے اور سب کا یہی رونا ہے کہ ہمارے بچے نافرمان بن گئے! پڑھائی کیلئے محنت وشوق اور دلچسپی ختم ہوگئی ہے، آخر ان مشکلات کے عالم میں اولاد نیک کیسے بنیں؟ اسلام کا سچا داعی کون بنے! حکومت کی سازشوں کا جواب آخر کون دے! بچوں کے پاس ضیاع وقت کے علاوہ اور کچھ نہیں بچا ہے کہ وہ کتابیں کھول کر بھی دیکھ سکیں پڑھنا لکھنا تو دور کی بات؟!۔

ظاہرا ان حالات میں اچھے معاشرے اور صالح مجتمع کا خواب کیسے پورا ہوگا!؟ نئی نسل کا اسلام پر مضبوطی سے قائم ودائم رہنے کا خواب کیسے شرمندہ تعبیر ہوگا؟ جس کا احساس ہم نے ولادت سے قبل کیا تھا!؟ ہماری نیت تو درست تھی مگر ہم نے اپنی بھی لاپرواہی اور زیادتی سے اسکی سوچ بدل ڈالی؟! اولاد بھی ایک طرح کی ہماری کھیتی ہے، جیسا ہم بیج بوئیں گے ویسا ہی کڑوا یا میٹھا پھل ہمارے خاندان، معاشرہ اور ملک کو میسر ہوگا! اسوقت جو حاصل ہوتا ہوا نظر آرہا ہے! والدین تو خوب آنسو بہا رہے ہیں کہ ہمارے بچے کو مودی حکومت نے خراب کردیا، اس میں کوئی شک نہیں کہ حکومت بھی انکی خرابی کی برابر کی ذمہ دار ہے، مگر ہم بھی فتنوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں، اسلیے ضروری ہے کہ سب پہلے اپنی نیت کو درست کرلیں، استاد کو صحیح تعلیم وتربیت فراہم کرنی چاہئے، طلبا وطالبات کو تعلیم کے لیے مکمل یکسو جانا چاہئے اور والدین اور ارباب حکومت کو بھی اپنے احساس ذمہ داری سے دستبردار نہیں ہونا چاہئے بغیر کسی تاخیر اور رکاوٹ کے اپنی اپنی ذمہ داری انجام دینی چاہئے، تاکہ سب کا اپنا اپنا خواب پورا ہوسکے، کسی کا خواب ادھورا نہ رہے، سب کو مخلص اور خیرخواہ بن کر رہنا چاہئے۔ کورونا کے عالم میں بطور خاص ہمیں اپنی نیتوں کی اصلاح کرنی چاہئے جو مرض اور وبا کے خاتمے کیلئے بھی نہایت ہی ضروری ہے۔ اللہ سب کے ساتھ خیر وخوبی کا معاملہ فرمائے۔۔۔ آمین

احمد نور عینی۔ ریسرچ اسکالر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد

اقبال فہمی (اقبال کی اردو شاعری میں ذکر رسول ﷺ)

مشرق کی عبقری شخصیات میں اگر آپ کو ایسا شخص نظر آئے جو دانش حاضر کی آگ سے مثل خلیل باہر آیا ہو، زمستانی ہواؤں میں بھی جس سے آداب سحر خیزی نہ چھوٹے ہوں، مغربی فلسفہ کی تلاطم خیز موجوں کے بیچ سے دل ونظر کا سفینہ سنبھال کر لے آیا ہو، جلوۂ دانش فرنگ جسے خیرہ نہ کر سکا ہو، خاک مدینہ ونجف کو جس نے سرمۂ چشم بنایا ہو، الحادی ہواؤں نے جس کی شمع یقیں کی لو اور بڑھا دی ہو، جس نے مغربی افکار کے نوتراشیدہ بت پاش پاش کیے ہوں، جس نے مغرب میں رہ کر، مغرب کو پڑھ کر، سمجھ کر، پرکھ کر مغرب کی دین بیزاری، بے راہ روی اور مادہ پرستی پر علی وجہ البصیرت نقد کیا ہو، جس نے بے کاری وبے خواری، عریانی وافلاس کو فرنگی مدنیت کی فتوحات قرار دیا ہو، جس کی نوا پیرائی نے کبوتر کے تن نازک میں شاہین کا جگر پیدا کیا ہو، ہزار چشمے جس کے سنگ رہ سے پھوٹے ہوں، خودی میں ڈوب کر جس نے 'ضرب کلیم' پیدا کی ہو، جس نے جوانوں کو'بال جبریل' لگا کر آمادۂ فلک پیمائی کیا ہو، جس کی 'بانگ درا' نے کاروان خفتہ کو ذوق آبلہ پائی دیا ہو، جس نے جاتے جاتے امت ختم رسل کو'ارمغان حجاز' دیا ہو............ اگر آپ کو کسی شخصیت میں یہ سب باتیں نظر آئیں اور پھر ان کے پیچھے عشق رسول ﷺ کی پاکیزہ قوت کارفرما نظر آئے تو سمجھ جایئے کہ اسی شخصیت کا نام ''اقبال'' ہے۔

اقبال کی شخصیت میں عشق رسول اس طرح سمایا ہوا ہے کہ شاخ گل میں جس طرح باد سحر گاہی کا نم، اقبال کے بعض نظریات اور ان کے بعض اعمال سے اختلاف کرنے کی نہ صرف گنجائش ہے؛ بل کہ اختلاف کیا جانا چاہیے؛ لیکن اس بات میں کوئی دورائے نہیں کہ عشق رسول اقبال کی شاعری بل کہ ان کی زندگی کا سرمایہ رہا، ان کا عشق اتنا مضبوط تھا کہ ان کی عقل نے عشق کے آگے ہتھیار ڈال دیے تھے، ان کی نظر میں عشق تمام مصطفیٰ اور عقل تمام بولہب ہے:

تازہ میرے ضمیر میں معرکۂ کہن ہوا
عشق تمام مصطفیٰ، عقل تمام بولہب

ایک مرتبہ کسی صاحب نے اقبال کے سامنے اچنبھے کے ساتھ وہ حدیث ذکر کی جس میں ہے کہ آپ ﷺ احد کے پہاڑ پر چڑھے تو پہاڑ ہلنے لگا، اقبال کو ان کے اچنبھے پر اچنبھا ہوا، اور زور دے کر کہا کہ پہاڑ کا ہلنا استعارہ نہیں حقیقت ہے۔ اقبال کی عقل اگر ان کے عشق پر حاوی ہوتی تو وہ پہاڑ کے ہلنے کی تاویل کرتے اور اسے مجازی معنی پر محمول کرتے؛ لیکن چوں کہ ان کی عقل ان کے عشق کے آگے سر بسجود تھی اس لیے انھوں نے کہا کہ پہاڑ کا یہ ہلنا استعارہ نہیں حقیقت ہے۔

اقبال یورپ جانے سے پہلے بھی مسلمان تھے؛ مگر یورپ جانے کے بعد وہ اور پکے مسلمان ہوگئے، وہ یورپ جا کر دانش حاضر کے سمندر میں غوطہ زن ہوئے، اور جوں جوں گہرائی میں اترتے گئے ان کا ایمان ویقین اور ان کا عشق رسول ﷺ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا، اور جب اس سمندر سے وہ باہر آئے تو ان کے ہاتھوں میں شکوک وشبہات کے

صدف کے بجائے ایمان ویقین کے گہر ہائے آبدار تھے، اگر عشق رسول ان کا راہبر نہ ہوتا تو شاید وہ خزف چین لب ساحل ہی رہ جاتے۔

اقبال کی شاعری کی روح فلسفہ عشق ہے، اگر عشق نہ ہوتو ان کے نزدیک شرع ودیں بت کدۂ تصورات ہے:

عقل ول ونگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہوتو شرع ودیں بت کدۂ تصورات

اقبال کے فلسفہ خودی کا وجود بھی عشق ہی سے ہے:

مہرو مہ ومشتری چند نفس کا فروغ
عشق سے ہے تابدار تیری خودی کا وجود

اور جوہر عشق دراصل خودی ہی ہے:

جوہر زندگی ہے عشق، جوہر عشق ہے خودی
آہ کہ ہے یہ تیغ تیز پردگی نیام ابھی

اقبال کا فلسفہ عشق گوکہ اپنے اندر وسیع مفہوم رکھتا ہے؛ مگر اقبال کی نگاہ عشق میں ذات رسول ﷺ ہی اول وآخر ہے:

نگاہ عشق ومستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یسیں، وہی طہ

اقبال نے الگ سے باضابطہ روایتی انداز کی نعت نگاری تو نہیں کی؛ لیکن اقبال کی شاعری کو اگر جسم تصور کرلیا جائے تو عشق رسول اس کی روح ہے، شکوہ اور جواب شکوہ کو ہی لے لیجیے، شکوہ کیا ہے؟ مسلمانوں کے شاندار ماضی کا ذکر اور خدا کے حضور حال کے زوال کی شکایت، اور جواب شکوہ کیا ہے؟ ماضی کے عروج کے محرکات، حال کے زوال کے اسباب، اور درخشاں مستقبل کی کلید کی طرف نشاندہی، اور وہ کلید کیا ہے؟ عشق رسول۔ اقبال کی ان نظموں میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کو ماضی میں عروج اس لیے نصیب ہوا کہ ان کے اندر عشق رسول کی فراوانی تھی، اور ذات رسول ان کے لیے نمونۂ عمل تھی، مگر جب عشق کی یہ آگ بجھ گئی تو مسلماں راکھ کے ڈھیر کی مانند ہوگئے، اور پستی ان کا مقدر بن گئی، عروج کی ایک ہی کلید ہے اور وہ ہے عشق رسول، عشق رسول کے یہ جذبات جواب شکوہ کے آخری بندوں میں چھلک پڑتے ہیں:

مثل بو قید ہے غنچے میں پریشاں ہوجا
رخت بر دوش ہوائے چمنستاں ہوجا
ہے تنک مایہ تو ذرے سے بیاباں ہوجا
نغمہ موج سے ہنگامہ طوفاں ہوجا
قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسم محمد سے اجالا کردے

پھر آپ ﷺ کی عظمت ورفعت اور شان رفعنا لک ذکرک کا ذکر مجاز واستعارے کے پیرائے میں اس انداز سے کرتے ہیں کہ ہر عاشق رسول کا دل جھوم اٹھتا ہے:

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کر ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہوتو پھر مے بھی نہ ہوخم بھی نہ ہو
بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہوتم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے
دشت میں دامن کہسار میں میدان میں ہے
بحر میں موج کی آغوش میں طوفان میں ہے
چین کے شہر مراقش کے بیابان میں ہے
اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے
چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعت شان رفعنا لک ذکرک دیکھے

اور اخیر میں اقبال اپنی بات کا نچوڑ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر قوم مسلم محمد عربی سے وفا کرلے تو روٹھا ہوا خدا بھی مان جائے گا اور یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم اس کے ہو جائیں گے:

کی محمد سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

اقبال کا یہ ماننا ہے کہ زوال سے دوچار مسلم قوم کو انقلاب وارتقا سے آشنا کرنے کے لیے روح محمد کا وجود اور عشق محمد کی نمود ناگزیر ہے، اسی لیے تو ابلیس کی مجلس شوریٰ میں یہ تجویز رکھی گئی کہ

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد اس کے بدن سے نکال دو
فکر عرب کو دے کے عجمی تخیلات
اسلام کو حجاز ویمن سے نکال دو

آپ ﷺ کی حسن وتربیت وشرف صحبت نے سنگریزے کو ہیرا بنا کر چمکایا اور غبار راہ کو فروغ وادی سینا بخشا:

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا

اقبال سکندر رومی اور حضرت بلال حبشیؓ کی مثال ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت بلال کا سینہ عشق رسول سے آباد تھا اس لیے انھیں بقا ودوام اور عزت واحترام نصیب ہوا، جب کہ سکندر رومی اس جنس گراں مایہ سے تہی داماں تھا، اس لیے وہ فنا ہوگیا:

اقبال کس کے عشق کا یہ فیض عام ہے
رومی فنا ہوا، حبشی کو دوام ہے

وہ عرب جو جہالت وجاہلیت کی تاریکی میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے تھے، جو بکریوں کے چرواہے تھے، شاہان روم وفارس جن پر نگاہ غلط انداز ڈالنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے وہی عرب جب عشق رسول سے دل کی بستی بسا کر پیغام رسول لے کر اٹھے تو گلہ بان حکم ران بنے، راہزن راہبر ہوئے، روم وفارس کے ایوانوں میں زلزلے برپا ہوگئے اور پورے عالم نے عرب کی عظمت وشوکت کا اعتراف کرلیا، اگر یہ لوگ محمد عربی ﷺ کے پیغام کو قبول نہ کرتے، ان کے پاس سب کچھ ہوتا مگر ان کا دل عشق رسول کی دولت سے تہی ہوتا تو عالم عربی کا کوئی قابل ذکر وجود نہ ہوتا، عالم عربی کا وجود حدود وثغور کی بنا پر نہیں؛ بل کہ محمد عربی کی بنا پر ہے:

نہیں وجود حدود وثغور سے اس کا
محمد عربی سے ہے عالم عربی

اقبال کو ذات رسول ﷺ سے ایسا ہی لگاؤ تھا جیسا کہ ایک معصوم بچے کو اپنی ماں سے ہوتا ہے، اقبال کا دل جب رنجور ہوتا تو وہ حضور کی بارگاہ میں اپنا درد دل رکھتے، کبھی اپنے دل کی کڑھن ان الفاظ میں بیان کرتے:

غضب ہیں یہ مرشدان خود بیں خدا تری قوم کو بچائے
بگاڑ کر تیرے مسلموں کو یہ اپنی عزت بنا رہے ہیں

درد وشکایت سے بھرپور یہ اشعار بھی ملاحظہ ہوں:

شیرازہ ہوا ملت مرحوم کا ابتر
اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے
اس راز کو اب فاش کر اے روح محمد
آیات الٰہی کا نگہبان کدھر جائے

طرابلس کی جنگ میں جب مسلمانوں کو نقصان اٹھانا پڑا تو اقبال کا دل درد وکرب سے بے تاب ہوگیا اور درد دل سنانے عالم خیال میں حضور رسالت مآب میں پہنچ گئے، اور اپنا دکھڑا یوں سنایا:

حضور دہر میں آسودگی نہیں ملتی
تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالہ وگل ہیں ریاض ہستی میں
وفا کی جس میں ہو بو وہ کلی نہیں ملتی
مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں
جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی
جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

اقبال گو جسمانی طور پر حجاز نہیں جاسکے؛ لیکن ان کے دل کا آشیانہ حجاز ہی رہا، اور حجاز جانے اور روضۂ رسول پر حاضری دینے کی خواہش برابر ان کے دل میں رہی، کبھی وہ کہتے:

یہ ہند کے فرقہ ساز اقبال آزری کررہے ہیں گویا
بچا کے دامن بتوں سے اپنا غبار راہ حجاز ہوجا

اور کبھی کہتے:

ہوا ہو ایسی کہ ہندوستاں سے اے اقبال
اڑا کے مجھ کو غبار رہ حجاز کرے

اقبال نے پوری زندگی عشق رسول میں گذاری، ذات رسول کو میر کارواں اور نام رسول کو راحت جاں سمجھتے رہے اور فخر ومحبت سے یہ دہراتے رہے:

سالار کارواں ہے میر حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

اور اخیر وقت میں اقبال کے دل میں یہ تمنا انگڑائیاں لیتی رہی کہ مدینۃ الرسول ان کا مدفن ہوجائے اور اسی تمنا میں وہ دنیا سے رخصت ہوئے:

اوروں کو دیں حضور یہ پیغام زندگی
میں موت ڈھونڈتا ہوں غبار حجاز میں

جہانگیر قیاس۔حیدرآباد

غزل

وقت کے کھونے سے پھر ملتا ہے کیا
جاگ اے انسان تو سویا ہے کیا

اجنبی ہیں ان پہ پھر بھی مر مٹا
سوچتا ہوں ان سے پھر رشتہ ہے کیا

کھیل جگ کا دیکھنے باہر نکل
ہاتھ دھر کر گھر میں تو بیٹھا ہے کیا

آزمالو پھر پتہ چل جائے گا
دل ہمارا دوستو مردہ ہے کیا

آپ سے نظریں ملیں یہ جرم ہے
حشر میرے نام پر برپا ہے کیا

عمر بھر زد میں رہا طوفان کی
پر دیا دل کا مرے بجھتا ہے کیا

ان کے ہاں جانے کی ہمت ہے قیاسؔ
دیکھنا ہے دل مرا کہتا ہے کیا

ایک کہانی چھ ادیبوں کی زبانی

پھر اپنی ماما نصیبن کو وضو کا پانی رکھنے کا حکم دیا، سعید نے کہا پھپھو وضو تو برقرار ہے، میں نماز تو پڑھ لیتا لیکن مسجد کی نماز کا ثواب زیادہ ہے۔ چنانچہ پل بھر میں کہانی کا ماحول مذہبی ہوگیا۔ چند لمحہ پہلے جہاں ریحانہ کے کمرے میں انگریزی موسیقی کی آوازیں آرہی تھیں، باہر نکلتے ہی وضو، نماز، مصلیٰ، مسجد اور نیکی کی باتیں ہونے لگیں۔ ل۔ احمد کی تحریروں میں ایک اور تبدیلی دیکھنے کو ملی، مرزا سعید جو اب تک محض سعید تھا، مصنف کی تبدیلی کے ساتھ وہ مولانا سعید ہوگیا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ل۔ احمد نے کہاں سے سعید کو مولانا کی ڈگری دلادی۔ جب کہ پچھلے صفحات میں کہا جا چکا ہے کہ سعید تیسری جماعت سے آگے تعلیم حاصل نہ کر سکا تھا اور ریحانہ نے اسے ایک جگہ جاہل تک کہہ دیا تھا۔

کیا محض عمامہ باندھنے اور نماز پڑھنے سے لوگ مولانا ہو جاتے ہیں؟ سعید کا گھر سے باہر نکلنا تھا کہ ریحانہ کی حالت غیر ہونے لگی۔ وہ سوچ میں پڑ گئی کہ آخر اس شخص کے ساتھ زندگی کیسے بسر کی جا سکتی ہے لیکن حقیقت کو جھٹلانا آسان نہ تھا کہ سعید اس کا شوہر ہے۔ یہ خیال آتے ہی ریحانہ اپنے چہرے کو ہاتھوں سے چھپا کر رونے لگی۔ چوں کہ عورت چاہے ظاہری طور پر کتنی ہی مضبوط بن جائے، رونا اور آنسو بہانا اس کی کمزوری ہے، نرمی عورت کے خمیر میں شامل ہے۔ یہی حال ریحانہ کا بھی تھا۔ ظاہری طور پر اس نے سعید کا خوب مزاق اُڑایا، لیکن اس کے جاتے ہی وہ رونے لگی۔ کچھ دیر کے بعد ماں ریحانہ کے کمرے میں داخل ہوئی، کمرے کے اندر بیٹی کی سسکیاں سن کر وہ بے چین اور پریشان ہوگئی۔ اس نے بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیرا لیکن ریحانہ اور دل برداشتہ ہوگئی، اور اپنے ماں کے زانوں پر سر رکھ کر دیر تک روتی رہی۔ ماں نے بیٹی کو سمجھاتے ہوئے کہا:

"بیٹی سعید نے کچھ کہہ دیا ہے تو خیال نہ کرنا چاہیے، شوہر کہا سنا ہی کرتے ہیں۔ ایسے کب تک جان ہلکان کیا کروگی۔"

"امی کیا وہ ایسے ہی رہیں گے۔ بچپنے میں تو بڑے سلیقہ مند تھے۔ ماموں میاں کا سُبھاؤ تو اتنا لوچدار تھا اور یہ ایسے روڑھے اُٹھے۔"

"لڑکی کیا تو میرے مَرے بھائی کو نام رکھتی ہے"

"نہیں امی میں تو یہ کہہ رہی ہوں کہ آخر یہ پلے بڑھے تو ان کی گود میں باپ کا کچھ تو اثر ہوتا۔ تعلیم نہ سہی تربیت کہاں چلی گئی۔ ماموں میاں کی آنکھیں دیکھ کر تو کر تو انسان بن جائیں۔ اور خاص بیٹا وحشی۔ یہ کیسے ہوسکا۔" (ص، ۲۸)

نجمہ نے اپنی بیٹی کو سمجھانے کے انداز میں کہا، بیٹی اللہ نے اس کا دل دنیا سے موڑ دیا ہے۔ ہر وقت روزہ، نماز اور خدا کی طرف دھیان رہتا ہے، لیکن ریحانہ پر تعلیم کا اثر غالب تھا وہ کہتی ہے۔ امی جان خفا نہ ہوئیے، پر ذرا سوچیے تو ان کی یہ چال ڈھال کس کو بھا سکتی ہے۔ یہ سن کر نجمہ اپنی بیٹی ریحانہ پر پوری طرح سے بھڑک اٹھی اور انگریزی تعلیم کی خرابیاں گنانی شروع کردی۔

چوتھی قسط سجاد حیدر یلدرم نے پیش کی ہے۔ انھوں نے بھی سعید کو مولانا سے خطاب کیا ہے اور سعید پر خوب طنز کیا ہے۔ سعید بیگ نوجوان ہے لیکن حسن پرستی سے دور ہے، ہاں ریحانہ کے حسن نے انہیں اسیر کرلیا ہے۔ یلدرم نے کامتا پرساد

کے کردار کے ذریعہ سعید کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی ہے۔ کہ سعید اپنے خیالات پر نظرثانی کریں، اپنی شکل، صورت اور لباس کو اس قابل بنائیں کہ ایک پڑھی لکھی لڑکی کو قابل قبول ہو۔ لہٰذا کافی غور وفکر کے بعد سعید نے یہ فیصلہ کیا کہ ظاہری شباہت میں غیر معمولی تبدیلی ضروری ہے۔

پچھلی قسط میں ایک انگریز لیڈی کا ذکر آچکا ہے جس نے ریحانہ کو انگریزی تعلیم دی۔ ان کا نام مِس ڈِکروزا ہے، یلدرم نے لیڈی اور ریحانہ کے رشتے کو پائیداری بخشی۔ اس کے علاوہ کہانی میں مرزا اسد علی مرحوم کے ہمدم دیرینہ احمد علی کا اضافہ کیا ہے۔ جو پیشے سے وکیل ہیں، مالدار اور خوشحال ہیں۔ وہی اسد علی بیگ کے تمام مقدمات کی پیروی کرتے تھے۔ چونکہ ہر ادیب اپنے ماحول کا عکاس ہوتا ہے۔ وہ اپنی فکر اور خیالات کو ادب میں اپنے کرداروں کے ذریعہ پیش کرتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہاں احمد علی کے روپ میں مولوی نذیر احمد جلوہ گر ہو گئے ہیں۔ جو تعلیم نسواں کے حامی اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے خیر خواہ ہیں۔ اقتباس دیکھیں:

> ''گو مرزا صاحب مرحوم لڑکیوں کی تعلیم کے حامی تھے مگر وہ اس کو پسند نہ کرتے تھے کہ لڑکی مدرسے میں خاص کر کسی دوسرے شہر میں تعلیم کے لیے بھیجی جائے۔۔۔ اگر استطاعت ہو تو اچھی سے اچھی معلّمہ کو رکھ کر لڑکی کو کیوں نہ پڑھایا جائے، اور کیوں اسے دوسرے شہر میں بھیج کر بورڈنگ میں رکھ کر ماں کی تربیت سے محروم کیا جائے۔'' (ص:۳۹)

یلدرم نے اپنی گفتگو میں علی گڑھ مسلم گرلس کالج کا بھی ذکر کیا ہے۔ احمد علی کی بیٹی سلمہ جو ریحانہ سے تقریباً دو برس بڑی ہے۔ اس کی تعلیم کے لیے مِس ڈکروزا کو مقرر کیا گیا تھا۔ مزید تعلیم کے لیے علی گرھ کے گرلس کالج بھیجی گئی اور انہیں کی ایما پر مِس ڈکروزا کو ریحانہ کی تعلیم پر معمور کیا گیا تھا۔

ریحانہ اور سلمہ کے آپسی رشتے گھریلو تعلقات کی بنا پر دوستانہ نوعیت کے ہیں۔ دونوں کا ایک دوسرے کے گھر آنا جانا ہے۔ چونکہ دونوں نے ایک ہی معلّمہ سے تعلیم پائی ہے لہٰذا مزاج میں کہیں نہ کہیں یکسانیت موجود ہے۔ ان کے درمیان موجودہ ادب، کتاب بینی، رسالوں اور عام نوجوان لڑکیوں کی طرح موجودہ چلن کے لباس کے متعلق باتیں ہوتیں۔ اس بار ریحانہ جب سلمہ کے گھر پہنچی تو رسمی گفتگو کے بعد چھیڑ چھاڑ شروع ہوگئی، سلمہ نے سعید کا نام لے کر ریحانہ کو چھیڑا۔ ریحانہ جو کسی اور ہی خیال میں محو تھی اس نے اپنے دل کا حال سلمہ سے بیان کیا، سعید کے خیالات، رہن سہن اور طور طریقے کا ذکر کیا۔ پھر اس کے سینے سے لگ کر خوب روئی۔ یہ تو سلمہ کو بھی معلوم تھا کہ سعید تعلیم سے بےگانہ ہے۔ نئی طرز تعلیم اور طرز زندگی کو ناپسند کرتا ہے۔ اسی بیچ اس نے اپنے بڑے بھائی محمود کا شوشہ بھی چھیڑ دیا۔ جو کھیل میں اول، تعلیم میں اول، ادب اور شاعری کا عمدہ ذوق رکھتا ہے۔ اس طرح سلمہ نے ریحانہ کو بغاوت کے لیے اکسایا۔ اس کے اندر اب اتنی ہمت آچکی ہے کہ وہ اپنا راستہ الگ نکال سکے۔ جب کہ اس کی تعلیم و تربیت ایسی نہیں ہے کہ وہ شوہر کے حقوق سے ناواقف ہو۔

پانچویں قسط امتیاز علی تاج نے تحریر کی ہے۔ تاج نے ابتدا میں ہی ریحانہ کی اس پس و پیش کا ذکر کیا ہے کہ وہ اپنی ساڑیوں اور جمپروں کو آگ لگا دے یا اسے محفوظ رکھے! امتیاز علی تاج ڈرامہ نگار ہیں۔ ڈرامہ میں ساز اور نغمہ کا ہونا لازمی ہے۔ اس حصہ میں ریحانہ جی بھر کے ریکارڈ سنتی ہے۔ گراموفون بجاتی ہے۔ آگے ڈرامے کا ذکر بھی آئے گا۔ تاج نے مِس ڈکروزا اور سول سرجن (جنھیں اسد علی کے علاج کے لیے الہ آباد سے دارانگر بلایا گیا تھا) کی محبت کو ماضی سے کریدا ہے۔ مِس ڈکروزا نے ریحانہ کو بتایا کہ میں بھی سارا سارا دن رویا کرتی تھی فیصلہ نہی کر پا رہی

تھی کہ کیا کروں۔ تاج نے کئی بار ساڑیوں اور جمپروں کے بیمہ کا ذکر کیا ہے۔ کیا معلوم اس زمانے میں کپڑوں کے بھی بیمے ہوتے رہے ہوں۔ مِس نے ریحانہ کو ٹاس کے ذریعے فیصلہ کرنے کی صلاح دی، تا کہ اس کشیدگی سے نکل سکے۔ لہٰذا ریحانہ نے ٹاس کیا۔ مگر ٹاس ہارنے کے بعد بھی وہ اپنے فیصلے پر قائم نہ رہی اور تکیہ میں سر چھپا کر رونے لگی۔! ریحانہ نے مسلسل کئی بار ٹاس کیا اور ہر بار ٹاس نے اس کی منشا کے خلاف فیصلہ کیا۔ تاج نے اسے ہمت سے تعبیر کیا ہے، جو کہ بالکل غلط ہے۔ واضح ہو کہ دنیا کے ہر مقابلہ میں ٹاس ایک ہی بار ہوتا ہے۔ تاج کے مطابق ریحانہ اس وقت تک ٹاس کرتی رہی، جب تک کہ فیصلہ اس کے حق میں نہ ہو گیا۔ اس کے بعد ریحانہ نے ماں سے سلمہ کے گھر جانے کی اجازت مانگی اور ماں کے منع کرنے کے باوجود وہ سلمہ کے گھر چلی گئی۔ یہاں ماں کی نافرمانی کے ذریعہ تاج نے مستقبل کی بغاوت کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ انھوں نے پچھلے چند واقعات کو من وعن بیان کر کے کہانی کو بوجھل بھی کیا ہے۔

تاج نے ریحانہ اور محمود کے ذریعہ کہانی میں رومانی فضا قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ ریحانہ جب سلمہ کے گھر میں داخل ہوئی تو وہ اپنے بھائی محمود کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک کنوری لڑکی کے آنے کی اطلاع سن کر محمود کا چہرہ کھل اُٹھا لیکن ریحانہ نقاب میں تھی لہٰذا وہ اس کے پاؤں کے علاوہ کچھ نہ دیکھ سکا۔ اس کا افسوس سلمہ کو بھی ہوا اور اس نے ریحانہ سے کہا مجھے افسوس ہے کہ محمود بھائی نے تمہیں برقعہ میں دیکھا کاش تم بنا برقع کے ہوتی۔

اس قسط میں ایک اور عجیب چیز پڑھنے کو ملی کہ جو باتیں ریحانہ اور سعید کے درمیان خلوت میں ہوئی تھیں، نہ جانے اس کا علم سلمہ کو کیسے ہوا! سلمہ نے ان تمام باتوں کو ہو بہو ریحانہ سے بیان کیا اور اس نے اقرار کیا۔ آخر میں وہ اپنے بھائی محمود کے متعلق کہتی ہے کہ میرے بھائی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ اس پر ریحانہ کھل اٹھی اور نظریں جھکا لی۔ آخر سلمہ اور ریحانہ نے سرگوشی میں سنیما جانے کا فیصلہ کیا اور سلمہ نے یہ شرط بھی رکھی کہ میرے ٹکٹ کے دام تمہیں دینے ہوں گے۔

تاج نے مرزا سعید کو اس قدر کمتر اور بے غیرت بنا کر پیش کیا ہے کہ قاری کو اس سے ہمدردی ہونے لگتی ہے۔ ایک شریف اور امیر خاندان کا وارث چاہے جتنا کم پڑھا لکھا ہو وہ ایک کباڑی کی دوکان سے جوتے اور کپڑے نہیں خرید سکتا۔ میرزا سعید تو بہر حال ایک رئیس اور جاگیر دار گھرانے کا چشم و چراغ اور وارث تھا لیکن تاج نے پل بھر میں سعید کو شہزادے سے بھکاری بنا دیا۔ اقتباس دیکھیں:

> ''(سعید) چھاونی بازار میں ایک کباڑی کی دوکان پر پہنچے جس کے یہاں چھاونی کے مرحوم گورا سپاہیوں کے لباس برائے فروخت کھونٹیوں پر ٹنگے رہتے تھے۔ یہاں سے انہوں نے ڈسٹ گرے رنگ کا ایک گرم سوٹ، ایک فل بوٹ کا جوڑا، ایک خاکی سولہ ہیٹ اور ایک نیلا اوور کوٹ خریدا۔''

تاج تک پہنچتے پہنچتے کہانی بالکل تبدیل ہو گئی، گویا یہ کہانی نہ رہی کٹھ پتلی ہو گئی، جس نے جس طرف چاہا اسے موڑ دیا، جس طرح چاہا نچا دیا۔ ہر کہانی کار سعید کو ذلیل کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ کہانی پڑھنے سے محسوس ہوتا ہے کہ سعید کوئی جوکر ہو جو خود تو روتا ہے مگر لوگوں کو ہر حال میں ہنساتا ہے۔

جیسا کہ ماقبل میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ اس کہانی میں تمام کہانی کاروں نے اپنے فن کو کہانی میں برتنے کی کوشش کی ہے۔ تاج چونکہ ڈراما نگار ہیں لہٰذا انھوں نے مرزا سعید کو ڈرامے کا ایک ایسا کردار بنا دیا جس کو دیکھتے ہی لوگوں کی ہنسی چھوٹ جاتی ہے۔ (گویا یہ مرزا سعید نہ ہوئے خوجی ہو گئے) تاج نے اپنی قسط کو سنیما پر ختم کیا ہے۔ اسی سنیما ہال میں ریحانہ

اور سلمہ ڈراما دیکھنے گئی ہیں، دوسری جانب مرزا سعید جوکروں جیسی شکل وشباہت بنا کر سنیما ہال پہنچا تھا۔

چھٹی اور آخری قسط خان حکیم احمد شجاع نے رقم کی ہے۔ اس کی ابتدا مرزا سعید کے سنیما ہال میں داخلے کے ساتھ ہوئی۔ انھوں نے سعید کے لباس کی تفصیل بیان کی ہے یعنی کوٹ کس انگریز افسر کا ہے، پتلون کس شخص کی ہے، ٹوپی کس مرحوم انجینیر کی ہے وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا سعید جب جوکروں کی ہیئت میں سنیما ہال کے اندر داخل ہوا تو لوگوں کی بھیڑ نے اسے گھیر لیا۔ مرزا نے سب سے نچلے درجے کی ٹکٹ خریدی۔ مصنف کے لفظوں میں: ''انھوں نے اپنی جیب سے ایک میلا سا بٹوا نکالا اور اس میں سے بڑی چھان بین کے بعد ایک چونی تلاش کی اور ٹکٹ خریدنے کے لیے آگے بڑھے۔''

مرزا سعید سب سے نچلے درجے کا ٹکٹ لے کر سب سے آگے کی سیٹ پر براجمان ہوا۔ چونکہ تماشہ جانوروں کا تھا اس لیے شیر اور ہاتھی سعید سے بالکل قریب معلوم ہوتے تھے۔ جانوروں کو دیکھ کر مرزا بھی عجیب وغریب حرکت کرنے لگا جس پر لوگ خوب ہنسے اور مزاق اڑایا۔ سلمہ اور ریحانہ بھی اپنے بکس سے یہ آوازیں سن رہی تھیں، کہ چار آنے کے درجہ میں بار بار لوگوں کا شور اٹھ رہا ہے۔ مگر انھیں یہ ہرگز گمان نہ تھا کہ یہ شور سعید کی حرکتوں کی وجہ سے ہے۔ سنیما کے ختم ہوتے ہی دروازے کے باہر لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا جس کا مرکز سعید تھا۔ کچھ دیر بعد پولیس اہل کار سعید کو لے کر جاتے ہوئے نظر آئے۔ اسے دیکھتے ہی ریحانہ کی چیخ نکل گئی، سلمہ نے پوچھا کیا ہوا؟ اس پر ریحانہ نے کہا یہی تو ہیں میرے شوہر مرزا سعید بیگ۔ اقتباس دیکھیں:

> ''آج اس کو معلوم ہو گیا کہ اسے مرزا سعید بیگ کے لباس سے اتنی نفرت نہ تھی جتنی نفرت ان کی فطرت سے تھی۔ اس کو ان کے مذہبی مشاغل سے اتنی نفرت نہ تھی جتنی نفرت اس کو ان کی بدتہذیبی سے تھی۔۔۔ وہ ایک زخمی شیرنی کی طرح چلا اٹھی ''تو کیا سلمہ مجھے اپنی ساری زندگی اس حیوان کے ساتھ گزارنی ہوگی۔ زندگی جیسی قیمتی چیز کو اس غول بیابانی کی چوکھٹ پر بھینٹ چڑھانا ہوگا۔'' کیا کوئی ایسی طاقت نہیں جو مجھے اس زندہ لعنت سے چھڑا سکے۔ (ص:٦٦)

ان تمام باتوں کو سلمہ کے والد احمد علی سن رہے تھے، انھوں نے کہا بیٹی مذہب میں بڑی برکتیں ہیں، مگر ہم مذہب کی برکتوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور اسے برا کہتے ہیں۔ اس کے بعد احمد علی دیر تک مذہب کے متعلق تقریر کرتے رہے، اور یہ بھی کہا کہ اگر کسی لڑکی کا نکاح بالغ ہونے سے قبل ولی نے اپنی مرضی سے کر دیا تو لڑکی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بالغ ہونے پر اس نکاح کو فسخ کر سکتی ہے، لہٰذا تمہیں بھی خلع کا اختیار حاصل ہے۔

احمد علی نے ریحانہ کی جانب سے عدالت میں خلع کا مقدمہ پیش کیا۔ مرزا سعید اسی جوکر والی شباہت کے ساتھ عدالت میں حاضر ہوا۔ جج نے وکیل احمد علی کی بحث سننے کے بعد مرزا سعید سے سوال کیا کہ تم ایک مہذب شریف اور پڑھی لکھی لڑکی کو بیوی بنانے کا کیا حق رکھتے ہو۔ جج کے سوالات کے بعد مرزا سعید اپنے غصے کو قابو میں نہیں رکھ پایا اور چیخ کر بولا ''ہایو ڈیم فول'' اس پر جج نے کہا گرفتار کر لو اس بدتمیز کو۔ اس کے بعد جج نے موکلہ کی درخواست پر اس کا نکاح فسخ کر دیا۔ (ص:٧١)

عدالت سے نکلنے کے بعد سعید سیدھے اس ویران مقبرے کی طرف بھاگا جہاں وہ وقت گزارتا تھا۔ اس شام ریحانہ اور سلمہ پھر سنیما دیکھنے گئیں مگر آج ان کے ساتھ سلمہ کا بھائی محمود بھی تھا۔ سنیما کے باہر آفتاب طلوع ہو رہا تھا، اور دوسری جانب مرزا سعید بیگ مقبرے کی تاریکی میں ایک سنسان قبر کی آغوش میں لیٹا ہوا تھا۔ اس طرح کہانی اپنے اختتام کو پہنچی۔

ثنا غزل۔ ریسرچ اسکالر شعبہ اردو بنارس ہندو یونیورسٹی، وارانسی

''ایک چادر میلی سی'' کا نفسیاتی مطالعہ

راجندر سنگھ بیدی کا شمار صفِ اوّل کے ترقی پسند افسانہ نگاروں میں کیا جاتا ہے۔ فن اور موضوع پر ان کو خوب گرفت حاصل ہے۔ ابتدائی دور سے ہی اردو فکشن میں بچوں کے کردار پائے جاتے ہیں لیکن بیدی کی یہ خوبی ہے کہ انھوں نے بچوں کے نفسیاتی پہلوؤں کو اپنے فکشن میں پیش کیا ہے۔ کرداروں کی نفسیاتی تحلیل ہی ان کی انفرادیت ہے۔ وہ اپنی تخلیقات میں بچوں کے مسائل اور جذبات و احساسات کی عکاسی ان ہی کے مکالمات کے ذریعہ کرتے ہیں۔ بیدی اپنی کہانیوں میں کرداروں کی ذہنی کیفیات، حرکات وسکنات اور ماحول کی منظر نگاری کے ذریعے اسے حقیقت سے قریب کر دیتے ہیں۔ ان کے کرداروں میں بوڑھے، جوان، مرد، عورت اور بچے سبھی شامل ہیں۔ ان کی کہانیوں کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ ہمارے آس پاس کے فرد ہیں اور ان سے جڑے تمام واقعات ہماری معاشی ،سماجی اور گھریلو زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔

''ایک چادر میلی سی'' بیدی کا یہ واحد ناولٹ 116 صفحات پر مشتمل ہے، یہ کتابی صورت میں پہلی بار ''مکتبہ جامعہ دہلی'' سے 1962 میں شائع ہوا۔ اس ناولٹ میں بیدی نے تلوکا، منگل، رانو اور دیگر ضمنی کرداروں کے علاوہ چار بچوں کے کردار متعارف کرائے ہیں جن کی عمریں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ''بنتا''، ''سنتا'' رانو کے جڑواں بچے ہیں جو عہد طفولیت میں ہیں، ''چنو'' شیر خوارگی سے تعلق رکھتا لیکن ان میں سب سے اہم اور خاص کردار ''بڑی'' کا ہے۔ جو رانو اور تلوکا کی پہلی اولاد ہے۔ ناولٹ میں اس کی وہی اہمیت ہے جو مثنوی ''سحر البیان'' میں نجم النسا کی ہے۔ ناولٹ میں اس کی عمر کا تعین نہیں ہے تاہم اس کی حرکات وسکنات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ طفولیت اور نو بلوغیت کے درمیان کی ہے۔ اس کی ذہنی کشمکش تصادم اور عجیب وغریب کیفیات نے ناولٹ کو آگے بڑھانے میں اہم رول ادا کیا ہے۔

معاشرے میں ہونے والے واقعات وحادثات اور بچوں کے مکالمے، ان کی حرکات وسکنات کو ناولٹ میں اس طرح ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ حقیقت سے قریب معلوم ہوتے ہیں۔ قصہ، پلاٹ، کردار نگاری، مکالمہ نگاری اور منظر کشی اسی مناسبت سے پیش کی گئیں ہیں۔ بیدی نے اپنے ناولٹ میں انسان کی اولین ضرورت یعنی پیٹ کو موضوع بنایا ہے۔ کہانی کا مکمل دار ومدار پیٹ پر منحصر ہے۔ پیٹ کی خاطر انسان کیا کچھ نہیں کرتا۔

بیدی کی پیدائش پنجاب میں ہوئی اور انھوں نے زندگی کا ابتدائی زمانہ وہیں گزارا۔ اس لیے ان کی زبان پر پنجابی پن کے اثرات زیادہ نمایاں ہیں۔ اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ بیدی کے فکشن میں علاقائی اثرات غالب نظر آتے ہیں۔ بیدی کے زیادہ تر کردار بھی پنجابی ہیں۔ بقول باقر مہدی: ''بیدی اپنے کرداروں کے ذریعہ خود کلامی نہیں ہوتے بلکہ اکثر ان کی ہی زبان میں لکھتے ہیں''

ناولٹ ایک چادر میلی سی کے کردار اور تھیم پر غور و کیا جائے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا ہی میں عورتوں کی مظلومیت اور ظلم وجبر کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اس میں عورت مظلوم ہے اور مرد ظالم ہے۔ ابتدائی واقعہ کا اثر ناولٹ کے آخر تک نظر آتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

'' تلوکے نے آج جس جاترن کو مہربان داس چودہری کی دھرم شالہ میں چھوڑا وہ مشکل سے بارہ تیرہ برس کی ہوگی۔ دیوی کے پاس تو اپنے آپ کو بچانے کے لیے ترشول تھا

جس سے اس نے بھیروں کا سرکاٹ کے الگ کر دیا لیکن اس معصوم جاترن کے پاس صرف دو پیارے پیارے گلابی سے ہاتھ تھے جنھیں وہ بھیروں کے سامنے جوڑ سکتی تھی ان سے مدافعت نہ کر سکتی تھی پھر بدن۔۔۔ جیسے تربوز کے گودے سے بنا ہوا جو مہربان داس کی چھری سے نہ بچ سکتا تھا۔'' (ایک چادر میلی سی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی 1980 (ص:8.9)

راجندر سنگھ بیدی بیسویں صدی کے نصف آخر کے ایسے فکشن نگار ہیں جنھوں نے اپنی کہانیوں میں متوسط اور پست طبقے کے انسانوں کو جگہ دی ہے۔ ان میں بچوں کے وہ کردار ہیں جو عموماً معاشرے میں پست طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ بیدی نے بچوں کے ذریعہ معاشرے کی سماجی ناہمواری اور استحصال کو قاری کے سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ عام گھریلو زندگی اور چھوٹے بچوں کی نفسیات کا مطالعہ بیدی کے لیے ایک خاص اور پسندیدہ موضوع رہا ہے۔ انھوں نے اپنی کہانیوں میں رشتوں کی معنویت کو پیش کیا ہے، مثلاً ماں، بیٹی اور بیٹا کی درمیانی کشمکش۔ ناولٹ میں یہی عنصر ''بڑی'' اور اس کی ماں ''رانو'' کے درمیان پایا جاتا ہے۔

بیدی پنجابی ہیں، وہ اپنے فکشن میں وہاں کے رسم ورواج، محاورے اور لب ولہجہ کو پیش کرتے ہیں۔ ایک چادر میلی سی کا کردار، تھیم، زبان اور مکان پنجابی ہے۔ گویا یہ تمام چیزیں مل کر ناولٹ کو حقیقت کا جامع پہناتے ہیں۔ اقتباس دیکھیں:

اپنے ناولٹ ''ایک چادر میلی سی'' کے بارے میں بیدی صاحب نے کہا کہ اس میں میں نے وہ زندگی پیش کی ہے جسے میں نے بہت زیادہ قریب سے دیکھا ہے یہ کہانی میرے اپنے گانوں کی ہے اور اس کے بہت سے کردار حقیقی ہیں۔ میرے دوست ملک راج آنند نے مجھ سے ایک بار کہا تھا کہ ''فن اسی وقت بلند پایہ ہو سکتا ہے جب فن کار اپنی ذات اور اپنے ماحول کے اندرون میں جھانکتا ہے اور اس کے رشتوں کی گرہ کھولتا ہے۔'' (باقیات بیدی (تحقیق وترتیب) ڈاکٹر شمس الحق عثمانی اردو اکادمی، دہلی 2001 (ص 11,1110)

ناولٹ میں دو بڑے واقعات کے درمیان متعدد چھوٹے چھوٹے واقعات پیش کیے گئے ہیں۔ ناولٹ کی ابتدا جاترن کے ساتھ ناانصافی سے ہوتی ہے، اسی کی یاداشت میں تلوکا قتل کیا جاتا ہے۔ ناولٹ کے آخر میں اسی قاتل سے تلوکا کی بیٹی 'بڑی' کی شادی ہوتی ہے۔ چنانچہ ناولٹ برے فعل سے شروع ہو کر خیر کے ساتھ ختم ہوا ہے۔ اس طرح بیدی نے ایک مختصر ناولٹ میں دو اہم نظریوں کو پیش کیا ہے۔ ان کا یہ کمال ہے کہ انھوں نے ناولٹ کو رومانی بنانے کے لیے 'رانو اور منگل' کے قصہ کو پیوست کر دیا ہے جس کے ذریعہ قاری دیر تک 'رانو اور منگل' کے خمار میں گرفتار رہتا ہے۔ ناولٹ میں ''رانو'' ایک اہم کردار ہے وہ تلوکا کی بیوی اور چار بچوں کی ماں ہے۔ اسے اپنی بیٹی 'بڑی' سے محبت ہے وہ ہمیشہ اس کی فکر میں رہتی ہے، فطرتاً بھی ماں کو لڑکیوں کی فکر بہت زیادہ ہوتی ہے۔ بڑی گھر کے کاموں میں ماں کا ہاتھ بٹاتی ہے، چھوٹے بھائیوں کا خیال رکھتی ہے ننھے چنوں کو دلارتے اور پیار کرتے ہوئے گیت گاتی ہے۔

رانو کی بیٹی ''بڑی'' کم گو ہے لیکن جب وہ زبان کھولتی ہے تو قاری کو چونکا دیتی ہے۔ وہ اپنی باتوں کا اظہار بڑوں کے سامنے نڈر ہو کر کرتی ہے اور اس کام میں وہ ذرا بھی نہیں ہچکچاتی۔ رانو کے کردار کو ابھارنے میں بھی بڑی کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے کیوں کہ اگر 'بڑی' نہ ہوتی تو جو پختگی 'رانو' کے کردار میں نظر آتی ہے وہ دیکھنے کو نہ ملتی۔ 'بڑی' کے متعلق جگدیش چندر ودھاون کا اقتباس ملاحظہ ہو وہ بڑی کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بڑی اس ناولٹ کی بہت کم گو، کم آمیز مگر اہم کردار ہے۔ اسے اپنی ماں رانو کے سوا کسی دوسرے کردار سے کوئی سروکار نہیں وہ کسی جگہ بھی عمل یا بات چیت میں پہل نہیں کرتی اور ہمیشہ ردعمل کے طور پر لب وا کرتی ہے پھر اُس کی بات چیت

جو ہمیشہ رانو تک ہی محدود ہوتی ہے یک جملی مگر معنی خیز ہوتی ہے۔۔۔مگر اپنی کم گوئی کے باوصف بڑی ایک مستحکم اور مضبوط کردار ہے۔ اور وہ قطعیت کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کرتی ہے۔ اس ناولٹ کی حقیقی دین یہ ہے کہ وہ رانو کے کردار کو غیر معمولی وسعت اور گہرائی عطا کرتی ہے۔۔۔رانو کے کردار کی بلند قامتی میں بڑی کا بڑا نمایاں ہاتھ ہے۔'' (راجندر سنگھ بیدی شخصیت اور فن، جگدیش چند ودھاون، ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس دہلی 1999 (ص:347)

ناولٹ کو گہرائی سے سمجھنے کے لیے اس کے فلیش بیک میں جانا ضروری ہے۔ 'تلوکا اور رانو' کی شادی کے وقت 'منگل' محض پانچ برس کا کم سن بچہ تھا۔ تلوکا کے قتل کے بعد منگل اور رانو کی زبردستی شادی کرادی جاتی ہے، چونکہ رانو کے گھر کے حالات کے مدنظر یہ قدم اٹھانا ضروری تھا۔ زبردستی شادی کرانا غیر اخلاقی امر ہے لیکن یہ بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ بیدی جس سماج کو پیش کررہے ہیں وہاں قتل، زنا اور جہالت کے درمیان ایک اچھی رسم سے روشناس کرایا گیا ہے۔ رسم کا مقصد اخلاقی ہے کیونکہ اس سے ایک جوان، بیوہ عورت کو تحفظ اور بچوں کو سرپرست فراہم ہوتا ہے۔ یہ رسم پنجاب کے ایک گاؤں کی ہے۔ اس گاؤں کے لوگوں کی یہ خوبی ہے کہ وہ اپنی پریشانیوں سے مایوس نہیں ہوتے، بلکہ اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں۔

ناولٹ کا اگر گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ رانو نے ساری قربانیاں اپنی بیٹی ''بڑی'' کے لیے دیں۔ تلوکا کے مرنے کے بعد اسے احساس ہوا کہ اب اس کی بیٹی غیر محفوظ ہے۔ جب ساس نے بیٹی کا سودا کرنا چاہا تو اس کے صبر کا پیمانہ ٹوٹ گیا۔ اس نے غصہ میں اپنی ساس کو خوب کھری کھوٹی سنائی۔ چونکہ رانو کے والدین نے اسے روٹی اور کپڑے کے عوض بیچ دیا تھا لہٰذا وہ نہیں چاہتی کہ اس کی بیٹی کا بھی یہی حال ہو۔ چنانچہ وہ منگل سے شادی کے لیے اسی بنا پر رضامند ہوتی ہے تاکہ اس کی بیٹی بچی نہ جائے اس کی فکرمندی اس اقتباس سے ظاہر ہوتی ہے:

''ہائے اب میں بیٹی کو بکتے دیکھوں گی؟ میں تو صرف کچھ لے کے نہیں آئی تھی تو یہ دور دشا ہوئی۔ یہ تو بک جائے گی!۔۔۔اور وہ بات بات پہ اس کی ہڈیاں توڑیں گے، نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ کہیں گے تجھے ایسے ہی تو نہیں خرید کے لائے ہیں، دام دیے ہیں۔'' (کلیات راجندر سنگھ بیدی (جلد دوم) مرتب وارث علوی، این. سی. پی. یو. ایل. نئی دہلی 2008 (ص 52-53)

ناولٹ میں ایک مقام پر کہانی رک سی جاتی ہے اس وقت ''بڑی'' کے ذریعہ کہانی آگے بڑھتی ہے۔ اگر بڑی نہ ہوتی تو کہانی کا مقصد غالباً فوت ہوجاتا۔ ہمارے معاشرے میں بچی کی پیدائش کے ساتھ ہی اس کے رکھ رکھاؤ پر خاص دھیان دیا جاتا ہے وقت کے ساتھ پابندیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ معاشی بدحالی کی وجہ سے ہی بڑی کی شادی اس کے باپ کے قاتل سے کردی جاتی ہے۔ گویا یہ شادی نہیں بلکہ دو خاندانوں کے درمیان ایک سمجھوتہ ہے۔ ہم اسے سماجی ونفسیاتی حقیقت نگاری کی ایک اچھی مثال کہہ سکتے ہیں۔ ڈاکٹر عظیم الشان صدیقی لکھتے ہیں:

''راجندر سنگھ بیدی کا ناولٹ ''ایک چادر میلی سی'' ایسے معاشرے کی تصویر ہے جو پسماندہ اور بوسیدہ ہی نہیں بلکہ اتنا بے بس بھی ہے کہ اس کے شکستہ کنارے بے جوڑ ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے قریب آنے کے لیے اس طرح مجبور ہیں کہ زندگی کے تقاضے اور تبدیلی کی خواہش دم توڑ دیتی ہے۔'' (پرواز ادب، شمارہ 2,7 1981 (ص 27)

کہانی میں اس موضوع کو پیش کیا گیا ہے کہ غربت اور جہالت کے ماحول میں جب بچوں کی پرورش ہوتی ہے تو ان

پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ جب بچوں کو بہتر ماحول نہیں ملتا ہے تو وہ بھی ان بری عادات واطوار کو سیکھ لیتے ہیں جوان کے گھروں میں رائج ہیں۔ اس غیر مہذب ماحول میں جہاں ہمیشہ مار پیٹ کا ماحول ہو وہاں بچے بھی اخلاقی قدروں سے بے بہرہ ہو جاتے ہیں۔ آگے چل کر وہ وہی کرتے ہیں جو انھوں نے اپنے گھر، خاندان اور قرب وجوار میں دیکھا ہے۔

بڑی گھر کے کاموں میں اپنی ماں کا ساتھ دیتی ہے۔ چھوٹے بھائی چنوں کو کھلاتی ہے۔ باپ کے قتل کے بعد دادی اس کی ماں کو گھر سے نکالنے اور اسے سستے داموں بیچ دینے کی کوشش کرتی ہے۔ لہٰذا ماں کو مارا پیٹا جاتا ہے، ان تمام چیزوں کا مشاہدہ بڑی کھلی آنکھوں سے کرتی ہے، اس پر اس کے منفی اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں۔ کہانی میں اہم موڑ تب آتا ہے جب باپ کی موت کے بعد ماں کی شادی چچا سے ہو جاتی ہے۔ ماں نے یہ کڑوا گھونٹ بڑی ہی کے لیے تو پیا تھا لیکن وہ ماں کی شادی سے ناخوش ہے اور کہتی ہے۔ ''ماں نے یہ سب کیا تو میں کچھ کھا کر مروں گی'' بڑی کا یہ جملہ اس کی جرأت مندی کی دلیل ہے۔

بڑی کے اس برتاؤ کو نفسیاتی نقطۂ نظر سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ وہ ایک possesive nature کی مالک ہے۔ possesive nature انسان جس سے پیار کرتا ہے اسے اپنی ملکیت سمجھتا ہے۔ جب اسے لگتا ہے کہ کوئی چیز اس کے پیار کو چھین لے گی تو وہ فکرمند ہو جاتا ہے، اور اس کی مخالفت شروع کر دیتا ہے۔ صرف اپنی ملکیت سمجھنا passessivness ہونا انسان کے تعلقات کو بھی نقصان پہنچاتے ہیں۔ ناولٹ میں بڑی ماں کی شادی پر غصے کا اظہار اس لیے کر رہی ہے کیونکہ اسے لگتا ہے کہ شادی کے بعد ماں کا پیار کم ہو جائے گا۔ اسے محبت کے بٹنے کا بھی ڈر ہے وہ ماں پر اپنا اور اپنے بھائیوں کا حق سمجھتی ہے۔ کسی دوسرے کا حق اسے برداشت نہیں۔ وہ ماں کا دھیان صرف اپنی طرف رکھنا چاہتی ہے۔ شادی کے دن 'بڑی' اور اس کے بھائیوں کو پڑوس کے چنوں کے گھر بھیج دیا جاتا ہے لیکن موقع ملتے ہی وہ آجاتی ہے اور اپنے بھائیوں کو رلانے کی کوشش کرتی تا کہ ماں کا دھیان اپنی جانب راغب کر سکے۔ شادی کی رائے کے اظہار پر جگدیش چندر ودھاون بڑی کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''یہ سب بڑی کی معاملہ شناسی اور خوداعتمادی کی دلیل ہے۔ وہ ایک مضبوط شخصیت کی مالک ہے اور اس میں یہ جرأت وجسارت ہے کہ سب عورتوں کے بیچ ایسے نازک موضوع پر اپنے خیالات کا یوں برملا اظہار کرے۔'' (راجندر سنگھ بیدی شخصیت اور فن، جگدیش چندر ودھاون، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس دہلی (ص345)

ناولٹ کے مطالعہ سے ہمیں یہ بھی علم ہوتا ہے کہ اس کی زبان بھلے ہی خشک ہے، لیکن اس کا تھیم بڑا جاندار ہے۔ بچوں کے دلوں میں اٹھنے والے سوالات اور اس سے پیدا ہونے والی الجھنوں کا ازالہ بیدی خوبصورتی سے کیا ہے۔ وقت اور حالات کے مطابق ان میں آنے والی تبدیلیوں پر بھی نظر رکھی گئی ہے۔ مختلف عمروں میں بچوں کے درپیش مسائل اور زبان و بیان کی تبدیلی سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔

ماں کی شادی کے بعد 'بڑی' کا رویہ اور زیادہ جارحانہ ہو گیا۔ رانو جب صبح اٹھ کر بچوں کے پاس آئی اور جب وہ 'بڑی' کے قریب گئی تو اس نے ماں کا منہ نوچ لیا اور تلخ لہجہ میں کہا، ''جا تو اسی سے منہ کالا کروا''

بڑی نے تلخ لہجہ غصے کو ظاہر کرنے کے لیے اختیار کیا ہے۔ اسے لگتا ہے کہ اس کی ماں ان سے چھین لی گئی ہے، اب

وہ ان سے محبت نہیں کرے گی، یا ان کا حق ان سے چھین لیا گیا ہے۔ بڑی کو اس بات کا احساس ہے کہ اس کا خیال صرف اس کی ماں ہی بہتر طور سے رکھ سکتی ہے۔ 'بڑی' کی دادی جب اس کا سودا کرتی ہے تو وہ ماں سے ہی بتاتی ہے۔ اس کی نظر میں خیر خواہ صرف ماں ہے۔ ماں کی شادی کے بعد اسے اپنا تحفظ خطرے میں نظر آتا ہے۔

انسان کی اولین ضرورت مثلاً غذا، پانی، ہوا اور نیند کے بعد اپنے تحفظ کو محسوس کرتا ہے۔ نفسیاتی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو بڑی کو اپنے تحفظ کی فکر ہوتی ہے۔ وہ اپنی حفاظت اور ماں کی پاسبانی چاہتی ہے۔ میسلو کے نظریہ کے مطابق جب انسان کی جسمانی بنیادی ضروریات پوری ہو جاتی ہے تب وہ اگلی ضروریات کی طرف راغب ہوتا ہے۔ ناولٹ میں بڑی کی بقائی ضروریات تو ہو رہی ہے اس کے بعد وہ ذاتی تحفظ کی ضرورت محسوس کرتی ہے۔ اس احساس کو پیدا ہونے کی وجہ بھی ہے جب رانو گھر پر نہیں ہوتی ہے تو اس کی دادی اس کی غیر موجودگی میں تین مردوں کو بلا کر بڑی کا سودا کر دیتی ہے۔ بڑی ان کے ہاؤ بھاؤ سے سمجھ جاتی ہے کہ اسے بیچا جائے گا لہٰذا اسے اپنی حفاظت کی فکر ہوتی ہے اور وہ اپنی ماں کو حالات سے آگاہ کرتی ہے۔ بڑی کو تحفظی ضروریات کا احساس ہے اور وہ اپنے ماں کی ضرورت کو محسوس کر رہی ہے۔

ایسے ہی ایک موقع پر جب 'بڑی' کے والدین کے درمیان شراب پر لڑائی اور غصہ میں رانو گھر چھوڑ کر جانے لگتی ہے تو 'بڑی' نے ماں کا پلو پکڑ کر پکارا اور خاموش نظروں سے ماں سے کہا، اگر تم چلی گئی تو ہمیں کون دیکھے گا اور ہماری حفاظت کون کرے گا۔

ناولٹ کے مطالعہ سے ہمیں یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ بڑی میں صرف سماجی خوف نہیں پیدا ہوتا بلکہ اس کے علاوہ اور بھی بہت سارے خوف اس کے اندر موجیں مار رہے ہیں۔ مثلاً اکیلے پن کا خوف، مستقبل کا خوف اور رشتہ داروں کا خوف وغیرہ۔ خوف کو نفسیاتی اصطلاح میں phobia کہتے ہیں اور لفظ phobia یونانی لفظ phobos سے نکلا ہے جس کا مطلب خوف ہے۔ اپنے نقصان یا اذیت کے خیال سے یا کسی شے یا امر سے مستقل ڈر کی کیفیت کو انسان کے دل و دماغ میں جو کیفیت یا یہ کہیں ایک ڈر پیدا ہوتا ہے اس کو خوف (phobia) کہتے ہے۔

اکیلے پن کا خوف، بڑی محسوس کرتی ہے کہ شادی کے بعد ماں اس سے دور ہو جائے گی۔ ماں اب اپنے شوہر کا ہی خیال رکھے گی۔ جبکہ بڑی اپنے اندر چھپے خوف کا اظہار واضح طور پر نہیں کرتی، اس لیے شادی کے بعد بھی غصے کا اظہار کرتی رہتی ہے۔ ایک بار اس کی ماں چچا کو کھانا دینے کے لیے کہتی ہے تو وہ شانے جھٹک کر نتھنے پھلا کر انکار کر دیتی ہے۔ بیٹی کا جارحانہ رویہ دیکھ کر ماں آب دیدہ ہو جاتی ہے۔

سماجی خوف، اس میں انسان کو انسان سے خوف پیدا ہوتا ہے اور وہ سماج کے لوگوں سے ڈرنے لگتا ہے۔ اکثر انسان ان میں یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ اس کا کوئی نہیں ہے خود کو بے سہارا محسوس کرتا ہے۔ اس خوف کو ہی نفسیاتی اصطلاح میں sociophobia کہا جاتا ہے۔ ناولٹ میں 'بڑی' کے اندر یہ خوف بھی پیدا ہو گیا ہے۔ 'بڑی' کو یہ احساس ستائے جا رہا ہے کہ اُس کی ماں کی دوسری شادی اس کے چچا سے ہو جائے گی تو لوگ کیا کہیں گے اور کیا سوچنگے؟ اسے یہ احساس شرمندگی ماں کے سامنے باغی بننے پر مجبور کر دیتا ہے۔

مستقبل کا خوف، اس میں آنے والے کل کا ڈر یا مستقبل میں ہونے والے واقعات سے خوف پیدا ہو جاتا ہے۔ جب اس کے ذہن میں منفی خیالات پیدا ہوتے ہیں تو وہ ڈرنے

لگتا ہے۔ اس کو نفسیاتی اصطلاح میں chronophobia (fear of future) کہتے ہیں۔

ناولٹ کے آخر میں سات برس کا وقفہ دکھایا گیا ہے، رہا ہونے کے فوراً بعد تلوکا کے قاتل نے بڑی سے شادی کرنے کا خیال ظاہر کیا۔ اس کے ذریعہ وہ اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرنا چاہتا تھا لیکن رانو کو جب اس بات کا علم ہوا کہ وہی اس کے شوہر کا قاتل ہے تو وقتی طور پر اس نے شادی سے انکار کر دیا۔ آخر سسر حضور سنگھ کے کہنے پر کہ یہی خدا کی مرضی ہے، لیکن ماں جب 'بڑی' کی طرف دیکھتی ہے تو وہ رضامند ہو جاتی ہے۔

اقتباس سے بڑی کی کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے:

''رانی نے مڑ کر دیکھا۔ بڑی کے چہرے پہ ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ماں! یہ تو کیا کر رہی ہے؟ تو نہ بولی تو میں بن بیاہی دھرتی کی طرح بانجھ رہ جاؤں گی۔۔۔ رانی نے سسر کے کاندھے پر سے سر اُٹھایا اور بولی۔ ''اچھا بابو، اچھا۔'' (کلیات راجندر سنگھ بیدی، (جلد دوم) مرتب وارث علوی، این۔سی۔پی۔یو۔ایل نئی دہلی 2008ء (ص 117)

اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑی کو اپنے مستقبل کی فکر ہے۔ وہ غریب ہے اور اگر ماں نے ہاں نہ کہا تو آگے جانے کیا ہوگا۔ اس کی شادی ہوگی بھی یا نہیں۔ ماضی میں جو کچھ اس کے ساتھ ہوا، یقیناً اس کا ذہن اس طرف گیا ہوگا۔ جب دادی نے اسے فروخت کرنے کی کوشش کی۔ بیدی کا یہ ناولٹ انہیں دو واقعات پر مبنی ہے، درمیان میں ضرور کچھ ضمنی واقعات آ گئے ہیں۔ ناولٹ کی جاترن سے شروع ہو کر اس کے بھائی اور 'بڑی' کی شادی پر ختم ہوتا ہے۔ اس طرح ناولٹ برے فعل سے شروع ہو کر خیر پر ختم ہوتا ہے۔

بیدی نے اس ناولٹ میں پنجاب کی زندگی اور وہاں کے رسم و رواج کو بڑی مہارت سے پیش کیا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ کسی ناولٹ کی کامیابی کی علامت یہ نہیں ہے کہ ناولٹ میں مصنف اپنے گھر آنگن اور سماج کی اصلیت کو پیش کر دے، بلکہ کامیابی کی بنیاد کئی دیگر چیزوں پر منحصر ہے۔ ناولٹ میں بہت سی جزئیات کو با ترتیب جوڑنا پڑتا ہے۔ کرداروں کو اینٹ کی طرح ایک دوسرے سے منسلک کرنا پڑتا ہے۔ ناول نگار اس کے تمام کرداروں کی سطح اور گہرائی میں مکمل طور سے اتر جاتا ہے۔ تب جا کر ایک کامیاب ناول یا ناولٹ کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ ان تمام امور کو راجندر سنگھ بیدی نے اپنے ناولٹ ''ایک چادر میلی سی'' میں بڑی خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔

DR. S.J HUSSAIN
MD (Unani)
Former director Incharge
Central Research Institute Of Unani Medicine
Govt of India

website: www.unanicentre.com
Email:syedjalilhussain@gmail.com
jaleel_hussain@yahoo.com

Dr. Jaleel's
یونانی سینٹر فار کارڈیک کیر
UNANI CENTER FOR CARDIAC

Consultation Time
Morning:9:00 am to 3:00 pm-Evening:7:00 pm to 9:30 pm
(Friday Morning and Sunday Evening Closed)

Cell:
+91 8142258088
+91 7093005707

Adress -: No: 8-1-332/3/B-69, RoadNo 1(A)Arvind Nagar Colony
Tolichowk Hyderabad - 500008 T.S India

عبدالوحید ندوی-حیدرآباد

قرآن اور ہماری زندگی

اللہ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے اپنے رسولوں پر کتابیں نازل کیں ،خدا کی آخری کتاب قرآن مجید ہے جو خدا کے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل ہوئی ہے ، قرآن اپنے الفاظ اور معانی دونوں پہلوؤں سے خدا کا کلام ہے ، یہ کتاب رسول اللہ ﷺ کی اپنی تصنیف ہرگز نہیں ہے ، رسول کا کام تو یہ کے کہ وہ ایک امانت دار کی طرح اس کتاب کو جو خدا کی طرف سے اس کے دل پر القاء ہوئی ہو خدا کے بندوں تک من وعن پہونچائے یعنی اپنی طرف سے اس میں کوئی کمی بیشی نہ کرے ، خدا کی بخشی ہوئی بصیرت اور فہم سے اس کتاب کے معانی مطالب بیان کرے اور اپنی پاکیزہ تعلیم اور سیرت کے ذریعہ لوگوں کے افکار وخیالات کو درست کرے، ان کے اخلاق کی اصلاح کرے اور ان کی زندگیوں میں انقلاب پیدا کرے اور انہیں ایک بہترین گروہ اور امت بنائے ، ایسا گروہ جس کے سبب دنیا میں بھلائی پھیلے اور برائی کا خاتمہ ہو۔

توریت ، انجیل ، زبور وغیرہ خدا کی طرف سے بہت سی کتابیں اتریں لیکن ان میں سے کتنی کتابیں ہیں جو بالکل معدوم ہوچکی ہیں ، جو کتابیں آج پائی جاتی ہیں ان میں قرآن کے سوا کوئی کتاب اپنے اصلی الفاظ اور معانی کے ساتھ بالکل محفوظ نہیں ہے ، قرآن کا امتیازی وصف یہ ہے کہ وہ اپنے انہی الفاظ ومعانی کے ساتھ موجود ہے جن الفاظ ومعانی کے ساتھ خدا کے آخری رسول نے اسے دنیا کے سامنے پیش فرمایا تھا ، اس کتاب میں دنیا کے سارے انسانوں کی ہدایت کا سامان موجود ہے۔

قرآن کی عظمت:

عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال ،

خیرکم من تعلم القرآن وعلمه (بخاری)

جو لوگ قرآن پڑھتے اور اس پر عمل کرتے ہیں اور صحیح معنوں میں اسے اپنی زندگی کی رہنما کتاب سمجھتے ہیں اللہ انہیں سربلندی اور عزت عطا فرماتا ہے ، یہاں تک کہ دنیا میں انہیں اقتدار اور حکومت بھی بخشتا ہے اور آخرت میں ان کے درجات بلند سے بلند رکھتا ہے ، اس کے برخلاف جو لوگ اس کتاب کے حق کو نہیں پہچانتے خدا بھی انہیں پستی میں ڈال دیتا ہے ، جس سے وہ کبھی نہیں نکل پاتے۔

صاحب قرآن سے مراد وہ شخص ہے جو قرآن پڑھتا اور اسے اپنی زندگی کا رہنما بناتا ہے ، اپنی زندگی کو قرآن کے مطابق ڈھالنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔

قرآن کے ہر لفظ اور اس کے ہر حرف کی تلاوت نیکیوں کا باعث ہے ، خدا اپنے فضل وکرم سے ہر ہر حرف پر دس نیکیوں کا ثواب عنایت کرتا ہے ، ایک نیکی پر دس نیکیوں کا ثواث عطا کرنا اللہ کا عام قانون ہے ، چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوا ، **من جاء بالحسنة فله عشر امثالها (انعام)**

جو لوگ قرآن کے مفہوم ومعانی کے بیان میں علم کے بجائے اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں وہ خدا کی کتاب پر ظلم کرتے ہیں ان کا ٹھکانہ جہنم ہی ہوسکتا ہے

۔قرآن سے غافل ہو کر آدمی خود اپنی شخصیت اور اپنے وجود کو نقصان پہنچاتا ہے ۔قرآن کی طرف سے ہرگز غافل نہ ہوں ، اس کے حقوق کو پہچانیں ، اور انہیں ادا کرنے کی کوشش کریں۔

ایک حدیث مبارکہ میں قوموں کی ترقی اور تنزلی کو بھی قرآن مجید پر عمل کرنے کے ساتھ مشروط کیا ہے ، ارشاد نبوی ہے، ان الله یرفع بھذا الکتاب اقواما و یضع به آخرین (مسلم) تاریخ گواہ ہے کہ جب تک مسلمانوں نے قرآن وحدیث کو مقدم رکھا اور اس پر عمل پیرا رہے تو وہ دنیا میں غالب اور سر بلند رہے انہوں نے تین براعظموں پر حکومت کی اور دنیا کو اعلیٰ تہذیب وتمدن اور بہترین نظام زندگی دیا اور جب قرآنی تعلیمات سے غافل ہوئے تو تنزلی کا شکار ہو گئے۔

قرآن ایسے شخص کا وقار اور آبرو اور اس کے چہرے کی آب وتاب و رونق چھین لیتا ہے جو قرآن کی بے حرمتی کرتا اور اسے پست قسم کے مقاصد کے لئے استعمال کرتا ہے ، اس کی ذلت وخواری آخرت میں پورے طور پر ظاہر ہوجائے گی ، دنیا میں بھی اس کی ذلت وپستی اہل نظر سے پوشیدہ نہیں رہتی۔

قرآن میں ارشاد ہے، افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالھا (محمد ۲۴) تو کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر سے کام نہیں لیتے یا دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں؟ جس چیز سے ہمیں روکا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ہم یہ رویہ اختیار نہ کریں کہ بجائے قرآن کی پیروی کرنے کے خود قرآن کو اپنے ذاتی خیالات کا تابع بنانے لگ جائیں۔

عن البراء بن عازب ؓ قال : قال رسول الله ﷺ : زینوا القرآن باصواتکم (ابو داؤد ، نسائی ، ابن ماجه)

براء ابن عازب ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ تم اپنی آوازوں سے قرآن کو زینت بخشو۔

یعنی خوش آوازی کے ساتھ قرآن پڑھو، قرآن جہاں معانی وحقائق کے لحاظ سے عظیم کتاب ہے وہیں اس کتاب میں صوتی ہم آہنگی اور جمال بھی پایا جاتا ہے ، ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا: مَا اَذِنَ اللّٰهُ لِشَيْءٍ مَااَذِنَ لِنَبِيٍّ يَتَغَنّٰى بِالْقُرْآنِ (بخاری، مسلم) اللہ کسی چیز کو بھی اتنی توجہ سے نہیں سنتا جتنی توجہ سے وہ نبی کو قرآن گنگناتے ہوئے سنتا ہے، ایک دوسری حدیث ہے: لیس منا من لم یتغن بالقرآن (بخاری) وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو قرآن کو اچھی آواز سے نہ پڑھے۔

قرآن کی اشاعت میں حصہ لو، درس وتدریس اور تعلیم وتفسیر کے ذریعہ قرآن کی تعلیمات کو عام کرو، اگر قرآن پر ہمارا عمل ہے تو یقیناً قرآن کی بدولت ہمیں آخرت میں کامیابی حاصل ہوگی ، قرآن ہماری کامیابی کا ضامن ثابت ہوگا ، لیکن اگر قرآن سے بے پرواہ ہو کر ہم زندگی گذارتے ہیں تو پھر یہی قرآن ہمارے خلاف حجت ہوگا ، ہم اپنی بے عملی کا کوئی عذر خدا کے سامنے پیش نہ کرسکیں گے ، چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے: والقرآنُ حُجَّةٌ لک او علیکَ (مسلم، ترمذی) قرآن تمہارے حق میں حجت ہوگا یا تمہارے خلاف حجت ہوگا۔

دنیا کا ہر وہ انسان جو کامیاب زندگی گذارنا چاہتا ہے قرآن کریم اس کے لئے ایک ایسا لائحہ عمل ہے جس پر عمل کے ذریعہ وہ معاشرہ میں ایک اچھا مقام حاصل کرسکتا ہے اور اس کی بدولت معاشرہ امن وسلامتی کا گہوارہ بن سکتا ہے۔

محمد ارشاد عالم ریسرچ اسکالر ایفلو حیدرآباد

طیب صالح عربی ادب کی عبقری شخصیت

طیب محمد صالح احمد ایک بلند پایہ ادیب، سوڈانی ناول نگاراور عربی ادب کے معروف ادباء میں سے ایک ہیں۔ ناقدین نے اُن کو "عبقری الروایہ العربیہ" کا لقب دیا ہے۔ بیسویں صدی کی پانچویں دہائی میں ادبی تحریر کا آغاز کیا اور اپنے ناول اور تالیفات کے ذریعے دنیا کے مختلف حصوں میں عربی ادب اور سوڈانی ثقافت کی نشرو اشاعت میں اہم کردار نبھایا۔ سوڈان کے علاوہ فرانس، قطراور برطانیہ میں بھی اپنی زندگی کے لمحات کا اچھاخاصا حصہ گزار چکے ہیں۔

ابتدائی زندگی اور تعلیم:

شمالی سوڈان میں مروی علاقہ کے کرمکول گاؤں میں ۱۹۲۹ء میں پیدائش ہوئی اور برطانیہ کی راجدھانی لندن کے ایک ہسپتال میں ۲۰۰۹ء میں وفات ہوئی۔

ابتدائی زندگی کے ایام کا حصہ گاؤں کے ہی آس پاس گزراجہاں وادی سیدنا میں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور بڑے ہوکر سوڈان کی راجدھانی خرطوم جا پہنچے اور وہاں خرطوم یونیورسٹی سے سائنس میں گریجویشن کی ڈگری حاصل کی، اُس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیئے انگلینڈ کا سفر کیا اور اپنی تعلیم جاری رکھنے کے لیئے لندن یونیورسٹی میں داخلہ لیا وہاں انہوں نے اپنے تحقیقی مطالعہ کا میدان بدل دیا اور پولیٹیکل سائنس کے شعبہ میں "انٹرنیشنل پولیٹیکل افیئرز" میں تخصص کیا اُس کے بعد اپنی پیشہ ورانہ زندگی کا آغاز کیا۔

پیشہ اور عملی زندگی:

طیب صالح کو اپنی زندگی میں کئی پیشوں سے گزرنا پڑا، کچھ دنوں تک ایک مدرسہ کی ادارت کی اور بعد میں لندن یونیورسٹی سے فراغت کے بعد ایک طویل مدت تک برٹش براڈ کاسٹنگ (بی بی سی) کے عربی شعبہ میں صحافت کا کام انجام دیا اور اتنی ترقی کی کہ وہاں ڈرامائی ادب کے شعبہ کے ڈائریکٹر بھی بن گئے۔ بی بی سی سے استعفیٰ دینے کے بعد سوڈان واپس آئے اور کچھ دنوں تک سوڈانی میڈیا میں صحافت سے وابستہ رہے، پھر قطر منتقل ہو گئے اور وہاں کی وزارت برائے صحافت میں بطور سکریٹری اور نگراں کام کیا۔ اس کے بعد فرانس گئے جہاں پیرس میں یونیسکو کے ریجنل ڈائریکٹر کے طور پر کام کیا اور خلیجی ممالک میں اس تنظیم کی نمائندگی کی۔

اسلوب اور طرز نگارش:

مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب کے مابین اسفار اور تنقل نے ان کو زندگی اور دنیا کے احوال وکوائف کے تجربے سے آراستہ کیا، اور ان میں سب سے اہم اپنی قوم کے حالات اور مسائل ہیں جن کو انہوں نے اپنی تحریروں میں بھی پرویا خاص طور سے ان کی عالمی شہرت یافتہ ناول "موسم الهجرة الى الشمال" قابل ذکر ہے۔ ان کی تحریر عام طور پر سیاست اور دوسرے موضوعات مثلاً استعمار، عرب معاشرہ اور عرب ومغرب کے درمیان رشتے پر مشتمل ہوتی ہے۔ برطانیہ میں اقامت پذیر ہونے کے دوران منظر عام پر آئی ان کی تحریروں میں مشرقی اور مغربی تہذیب وثقافت میں اختلافات کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ طیب صالح کا شمار اس وقت کے مشہور عربی ادیبوں میں ہوتا ہے خاص طور سے ان کے چھوٹے

چھوٹے قصے کہانیاں جو ادبی معیار میں جبران خلیل جبران، طٰہ حسین اور نجیب محفوظ کی کہانیوں کے صف میں آتے ہیں۔

طیب صالح نے اپنے قارئین کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ زندگی صرف غلطیوں اور مصائب وآلام سے بھری ہوئی نہیں ہے بلکہ زندگی بے شمار مواقع بھی فراہم کرتی ہے۔انہوں نے اپنی مشہور زمانہ کتاب موسم الہجرہ الی الشمال میں مشرق ومغرب کے درمیان تہذیب وثقافت کے نزاع کو ایک جدید کلاسیکی ادبی اسلوب میں اتنے بہترین انداز سے پیش کیا ہے، جس نے اس ناول کو عالمی شہرت عطا کر دی۔ موسم الہجرہ الی الشمال میں دونوں تہذیبوں (مشرق ومغرب) کے درمیان تجزیہ اور تقابل ایسے شاندار اسلوب میں پیش کیا ہے جس میں وجدانی تاثیر اور فکری بالیدگی صاف طور سے دکھائی دیتی ہے۔اسی طرح کسی بھی نصوص کو اتنے بہترین انداز میں لکھتے ہیں جس میں چیزوں کی تصویر وتنقیش اور وصف بیانی کی مہارتیں نمایاں طور سے جھلکتی ہیں۔

ادبی خدمات:

گزشتہ صدی کی پانچویں دہائی کے اواخر میں طیب صالح نے ادبی تحریر کا آغاز اس وقت کیا جب وہ "المجلہ" میگزین میں کام کرتے تھے۔المجلۃ ایک عربی میگزین ہے، جس میں وہ ہر ہفتہ مضمون لکھا کرتے تھے ان میں زیادہ تر تحریریں قصے کہانیوں پر مشتمل ہوتی تھیں جن میں دیہی زندگی کی عکاسی نمایاں طور پر موجود ہوتی تھیں۔ طیب صالح کے ناولوں اور قصوں کا ترجمہ متعدد زبانوں میں ہوا خاص طور سے موسم الہجرہ الی الشمال کا ترجمہ تیس سے زائد زبانوں میں ہوا۔اس پذیرائی کی وجہ سے اس کا شمار دنیا کے ۱۰۰ بہترین ناولوں میں ہوتا ہے اور اس نے طیب صالح کو عبقری الادب العربی کا خطاب بھی دلایا۔ ۲۰۰۱ء میں عرب اکیڈمی دمشق کی طرف سے اُن کے اس ناول کو بیسویں صدی کا سب سے بہترین ناول قرار دیا گیا۔طیب صالح نے متعدد ناول اور افسانوں کے چند مجموعے شائع کیے۔ ناولوں میں موسم الہجرہ (1966)، ضوء البیت (بندر شاہ جزءِ اول 1971)، مریود (بندر شاہ جزءِ ثانی 1976) اور الرجل القبرصی قابل ذکر ہیں، جبکہ مجموعے میں عرس الزین (1969)، حفنۃ من التمور (1964) اور دومۃ ود حامد (1985) قابل ذکر ہیں۔ عرس الزین کو کویت میں فلمایا گیا اور یہ سینما گھروں کی زینت بنا جس کو ناقدین اور فلموں کے ڈائریکٹرز کی طرف سے خوب پذیرائی ملی۔ اس کے علاوہ ان کی دیگر تصنیفات مندرجہ ذیل ہیں:

نخلۃ علی الجدول، الأعمال الکاملۃ (1984)، منسی انسان نادر علی طریقتہ (2004)، المضیئون کالنجوم من أعلام العرب والفرنجۃ (2005)، للمدن تفرد وحدیث الشرق، (2005)، للمدن تفرد وحدیث الغرب (2005)، فی صحبۃ المتنبی ورفاقتہ (2005)، فی رحاب الجنادریۃ وأصیلۃ (2005)، وطنی السودان (2005)، ذکریات المواسم (2005)، خواطر الترحال (2005)، مقدمات (2009)۔

عربی ادب میں طیب صالح کی خدمات کی وجہ سے ان کے نام سے دو انعامات کا سلسلہ شروع کیا گیا:

1- جائزۃ الطیب صالح العالمیۃ للابداع الکتابی: یہ انعام ناول، افسانہ اور عربی زبان میں تنقیدی مطالعہ کے لیئے دیا جاتا ہے، عربی ادب اور تہذیب وثقافت میں ان کے خدمات کے اعتراف میں 2010 میں اس کا اعلان کیا گیا۔

2- جائزۃ الطیب صالح للابداع الروائی: ناول اور قصہ قصیرۃ (افسانہ) کے میدان میں یہ انعام پیش کیا جاتا ہے، یہ انعام صرف سوڈانی ناولوں کے لیئے خاص ہے، 2002 میں اس کی ابتداء ہوئی۔

(قسط: ۱) طفیل احمد مصباحی۔ بہار

مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی دینی، علمی و تصنیفی خدمات

وطنِ عزیز ہندوستان کے علمی، ادبی اور روحانی مراکز میں سے ایک اہم علمی و روحانی مرکز "خانوادہ فرنگی محل" بھی ہے، جہاں کے جلیل القدر علما و فقہا، اربابِ شریعت و طریقت اور اصحابِ فضل و کمال نے علوم و فنون کی ترویج و توسیع اور مذہب و ملت کی تبلیغ و اشاعت میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں اور ان بیش بہا کارناموں کے سبب اس مبارک خانوادے کو "دارالعلم والعمل" اور "ہندوستان کا کیمبرج" کہہ کر پکارا گیا ہے۔ علامہ غلام علی آزاد بلگرامی " مآثر الکرام فی تاریخ بلگرام " میں لکھتے ہیں: اگر چہ جمیع صوبہ جاتِ ہند بوجوہ حاملانِ علم تفاخر دارند، اما صوب؟ اودھ و الہٰ آباد خصوصیتے دارد کہ در ہیچ صوبہ نتواں یافت.

یعنی اگر چہ ہندوستان کے تمام صوبے حاملانِ علم کے سبب قابلِ فخر ہیں، لیکن صوبہ اودھ و الہٰ آباد کو کچھ ایسی خصوصیات حاصل ہیں جو دوسرے صوبوں کو حاصل نہیں۔ اربابِ علم و حکمت اور اصحابِ تصوف و معرفت کے سبب صوب؟ اودھ کو جو علمی امتیاز اور بلند مقام حاصل تھا، اس کی ایک بڑی وجہ اس کے دائرے میں "خانواد؟ فرنگی محل" کا شامل ہونا بھی تھا، جو پورے صوبہ اودھ میں علم و ادب اور فکر و دانش کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا۔ ملا قطب الدین شہید سہالوی، بانیِ درسِ نظامی ملا نظام الدین فرنگی محلی، بحر العلوم ملا عبد العلی فرنگی محلی اور علامہ عبد الحی فرنگی محلی وغیرہم کے دینی اور علمی کارناموں سے کون واقف نہیں۔ اس علمی و روحانی خانوادے کا شجر؟ نسب ایک شاخ سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسری شاخ سے قبیلہ انصار سے جاملتا ہے۔

خانوادہ فرنگی محل کی علمی تاریخ کا آغاز حضرت علامہ قطب الدین شہید سہالوی (متوفی: 1103ھ) کی وفات کے بعد ان کے نامور فرزند بانیِ درسِ نظامی ملا نظام الدین محمد فرنگی محلی (متوفی:1161ھ) سے ہوتا ہے۔ ملا قطب الدین شہید سہالوی اپنے وقت کے عظیم المرتبت عالم اور جامع معقول و منقول فاضل تھے۔ پوری زندگی درس و تدریس میں گذاری۔ دیارِ پورب میں علم کی ریاست آپ پر ختم ہوگئی۔ اکثر علمائے ہند کا سلسل؟ تلمذ آپ پر منتہی ہوتا ہے۔

سبحۃ المرجان کی یہ عبارت ملاحظہ کریں:

و الملا قطب الدین (الشہید السہالوی) امام الاساتذۃ و مقدام الجھابذۃ، معدن العقلیات و مخزن النقلیات .صرف عمرہ فی شغل التدریس و انتھت الیہ ریاسۃ العلم فی الفورب و سلسلۃ تلمذ اکثر علماء الھند تنتھی الیہ .

(سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، ص:147، مطبوعہ: دار الرافدین، بیروت)

بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر موصوف کی دینی و علمی خدمات سے کافی متاثر تھے۔ ملا صاحب کے صاحب زادگان (ملا محمد اسعد، ملا محمد سعید) کی خواہش پر اورنگ زیب عالم گیر نے لکھنو؟ میں فرانسیسی تاجروں کے لیے ایک خالی کوٹھی 1694ء میں الاٹ کردی۔ یہ کوٹھی "حویلی فرنگی" کہلاتی تھی۔ ملا قطب الدین کے صاحب زادگان سہالی (ضلع بارہ بنکی،

یو پی) سے منتقل ہوکر فرنگی حویلی میں سکونت پذیر ہوگئے اور اس طرح قصبہ سہال کا علمی سورج فرنگی محل کے ایوان میں جگمگانے لگا اور یہی خاندان آگے چل کر "خانوادہ فرنگی محل" سے پوری دنیا میں مشہور ہوا۔ ملا قطب الدین کے چھوٹے صاحب زادے ملا نظام الدین فرنگی محلی (بانی درسِ نظامی) نے اپنی بے پناہ علمی صلاحیتوں سے فرنگی محل کو دار العلم بنا دیا۔ آج برصغیر پاک و ہند میں درس نظامی کا جو نصاب رائج ہے، یہ انہیں کا مرتب کردہ ہے۔

آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

و انا دخلت لکناؤ فی التاسع عشر من ذی الحجه سنة ثمان و اربعین و مائة و الف و اجتمعت بالملا نظام الدین فوجدته علیٰ طریقة السلف الصالحین و کان یلمع فی جبینه نور التقدیس .

17 / ذی الحجہ 1148ھ کو میں لکھنؤ گیا تھا اور ملا نظام الدین سے ملاقات کی تھی۔ وہ سلف صالحین کے طریقے پر گامزن تھے اور تقدس کا نور ان کی پیشانی سے ہویدا تھا۔ (سبحۃ المرجان، ص:177، بیروت)

تیرھویں صدی ہجری کے نصفِ اخیر اور چودھویں صدی کے نصفِ اول میں خانوادۂ فرنگی محل کے جن دو باکمال عالم اور مائی ناز فاضل کا ملک و بیرونِ ملک خوب چرچا رہا اور جن کی ہمہ جہت دینی، علمی، تصنیفی اور سماجی خدمات نے پورے عہد کو متاثر کیا، وہ حضرت علامہ عبدالحی فرنگی محلی (متوفی: 1304ھ) و حضرت مولانا قیام الدین عبدالباری فرنگی محلی (متوفی: 1344ھ) ہیں۔ یہ دونوں رشتے میں سگے خالہ زاد بھائی تھے۔ اول الذکر بزرگ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں تا حیات مشغول رہے اور ثانی الذکر نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے علاوہ سیاسی و سماجی تحریکات میں بھی حصہ لیا اور عرب و عجم میں شہرت و ناموری حاصل کی۔

مولانا عنایت اللہ انصاری فرنگی محلی کے بقول:

آپ اور استاذ الاساتذہ مولانا عبدالحی (فرنگی محلی) رحمۃ اللہ علیہ حقیقی خالہ زاد بھائی تھے۔ آخری دور میں یہ دونوں خالہ زاد بھائی عزت و شہرت، علم و کمال کے چاند اور سورج تھے۔ بحر العلوم (مولانا عبد العلی فرنگی محلی) کے بعد اربابِ فرنگی محل میں کسی کو ایسی شہرت کہ جو ہندوستان کے عوام و خواص، علما و امرا، شہر اور دیہاتوں سے گذر کر بیرونِ ہند عرب و عجم تک پہنچی ہو، ان دونوں بھائیوں کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں ہوئی اور اس امر میں تو حضرت استاذ (مولانا عبدالباری) اپنے تمام اسلاف پر سبقت لے گئے تھے کہ ان کی شہرت دنیائے اسلام سے گذر کر یورپ کے قصورِ سلاطین و اربابِ سیاست تک پہنچ گئی تھی۔ (تذکرہ علمائے فرنگی محل، ص: 106، اشاعت العلوم برقی پریس، فرنگی محل، لکھنؤ)

آپ مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلوی کے ہم عصر اور مکتوب الیہ بھی تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب آٹھ واسطوں سے ملا قطب الدین شہید سہالوی سے جا ملتا ہے، جو حسبِ ذیل ہے: قیام الدین محمد عبد الباری بن عبد الوہاب بن عبدالرزاق بن جمال الدین بن علاؤ الدین احمد بن انوار الحق بن احمد عبد الحق بن ملا محمد سعید بن ملا قطب الدین شہید سہالوی۔

آپ کی ولادت 10 / ربیع الثانی 1295ھ؛ مطابق 14 / اپریل 1878ء بروز اتوار فرنگی محل، لکھنؤ میں ہوئی۔ والد کا نام مولانا عبدالوہاب فرنگی محلی ہے۔ جد امجد مولانا عبدالرزاق فرنگی محلی نے اپنے اس بلند اقبال پوتے کا نام "قیام الدین محمد عبدالباری" رکھا۔ پانچ سال کی عمر میں رسمِ بسم اللہ خوانی ادا کی گئی۔ حفظِ قرآن کی تکمیل کے بعد درس نظامی کی تعلیم

شروع کی اور میزان سے لے کر متوسطات تک اکثر کتب عربیہ کا درس مولانا عبدالباقی فرنگی محلی سے لیا۔ قطبی مع حاشی ؟ سید، میبذی، خلاصۃ الحساب، اقلیدس، تفسیر جلالین اور نفحۃ الیمن وغیرہ مولانا غلام احمد پنجابی سے پڑھا۔ مطولات میں سے معقولات کی اکثر کتابیں مولانا عین القضاۃ علیہ الرحمہ سے پڑھیں اور مدینہ منورہ کے مختلف شیوخِ حدیث سے اجازتِ حدیث حاصل کر کے مروجہ علوم وفنون کی تحصیل سے فراغت پائی۔ عہد طالب علمی سے ہی ابتدائی جماعت کے طلبہ کو درس دینے لگے تھے۔ فراغت کے بعد باضابطہ درس وتدریس کا آغاز کیا۔ تدریسی مشغولیات کا یہ عالم تھا کہ نمازِ فجر سے لے کر دس بجے دن تک اور ظہر کے بعد سے عصر تک اور بسا اوقات رات کو بھی تدریس کا سلسلہ جاری رکھتے۔ آپ شروع سے کثیر المطالعہ واقع ہوئے تھے۔ عادت کے مطابق رات زیرِ تدریس کتابوں کا مطالعہ نہایت انہماک کے ساتھ کرتے۔ بعض اوقات رات کے دو اور کبھی تین بجے تک آپ کا مطالعہ جاری رہتا۔ زمان ؟ درس وتدریس میں دو پہر کو قیلولہ نہیں کرتے، بلکہ مطالع ؟ کتب میں مصروف رہتے۔ فرنگی محل کے نونہالوں کے لیے بالخصوص اور دیگر مسلم بچوں کے لیے بالعموم "مدرسہ نظامیہ" کی بنیاد رکھی، جہاں سے کثیر تعداد میں طالبانِ علومِ اسلامیہ نے اپنی علمی پیاس بجھائی۔ اس مدرسہ میں از اول تا آخر آپ نے درس دیا اور شاگردوں کی ایک ٹیم تیار کی۔ (مصدرِ سابق، ص: 106؛107؛108، مطبوعہ: فرنگی محل، لکھنؤ)

ذاتی اوصاف وکمالات :

مولانا عبد الباری فرنگی محلی کے ذاتی اوصاف و کمالات کا ایک جہاں قائل ہے۔ علم وعمل اور اخلاص کے مثلث اور مروجہ علوم وفنون میں یکتائے روزگار تھے۔ حسنِ اخلاق اور خوبیِ کردار میں بے مثال تھے۔ قادرِ مطلق نے ان کو بیشمار اوصاف وکمالات سے نوازا تھا۔ وہ بیک وقت عالم وفاضل، حافظ ومدرس، مفتی ومحدث، شیخ طریقت، مفکر ومحقق، مصنف و مؤلف، سیاسی قائد اور قومی رہنما تھے۔

سید سلیمان ندوی (تلمیذ شبلی نعمانی) نے ان کے اوصاف وکمالات کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

فرنگی محل کے متاخرین میں حضرت استاذ استاذی مولانا عبدالحی کے بعد مولانا عبدالباری کی ذات نمایاں تھی، جو بزرگ اجداد کی بہت سی روایات کی حامل تھی۔ ارشاد وہدایت، وعظ ونصیحت، درس وتدریس، تلاش ومطالعہ، تحریر وتالیف ان کے روزانہ مشاغل تھے۔ ان دینی وعلمی مناقب کے ساتھ دین و ملت کی راہ میں ان کا جاں فروشانہ جذبہ اور مجاہدانہ اخلاص ہمرنگِ شہدا تھا۔ ذاتی اخلاق، جود وسخا، تواضع وانکسار، علم کی عزت، صداقت وحق گوئی، ان کے اوصافِ گراں مایہ تھے۔ وہ بے کسوں کے ملجا، مسافروں کے ماویٰ اور تنگ دستوں کے دستگیر تھے۔ عبادت گزار، شب زندہ دار اور حق کے طلب گار تھے۔ ہندوستان میں ان کی ذات ذی اقتدار علما کی حیثیت سے اس وقت فرد تھی۔ جدید تعلیم یافتوں کی سیاسی جدوجہد کو مذہبی تحریک بنا دینا، یقیناً انہیں کا کارنامہ شمار کیا جائے گا۔ اس لیے ان کی یہ غیر متوقع موت صرف فرنگی محل کا نہیں، بلکہ اسلام کا سانحہ ہے اور بنابریں ان کی جواں مرگی ہمیشہ کے لیے تاریخ اسلام کا ایک اندوہناک واقعہ شمار ہوگا۔ (یادِ رفتگاں، ص: 56؛ ناشر: دار المصنفین، اعظم گڑھ، یوپی)

سیاسی بصیرت وملی قیادت :

برصغیر پاک وہند کے علمائے اہل سنت نے دیگر دینی وعلمی کارناموں کے علاوہ ملکی سیاست وملی قیادت میں بھی حصہ لیا ہے اور قوم وملت کی فلاح وبہبود کے لیے بے مثال قربانیاں پیش کی ہیں۔.................(بقیہ آئندہ ماہ)

شمیم مشتاق معروفی ۔ مئو اتر پردیش

میں جاگ جاتا ہوں

میں جاگ جاتا ہوں
خواب کے ڈر سے
میرے یہ خواب جو مجھ کو
اپنی آغوش میں لیکر
حسیں سپنے دکھاتے ہیں
خیالوں کی یہ دنیا میں
کبھی اِن سے ملاتے ہیں
کبھی اُن سے ملاتے ہیں
کبھی وہ رہنما بن کر
مجھے رستہ دکھاتے ہیں
کبھی وہ باغ میں جا کر
مجھے جھولا جھولاتے ہیں
کبھی وہ ہم نشیں بن کر
دکھ کو بانٹ لیتے ہیں
کبھی میں غم زدہ ہوں تو
مجھے ہنستے ہنساتے ہیں
کبھی وہ نیند کی خاطر
مجھے لوری سناتے ہیں
نہ جانے کون تھے وہ
کہ میری فکر تھی اتنی
مرے خوابوں میں آ آ کر
مرا بچپن دِکھاتے ہیں
میں ڈر کر جاگ جاتا ہوں
کہ میرا بچپن مجھی سے
جھوٹ نہ جائے
کہیں بچپن مرا مجھ سے
لوٹ نہ جائے
میں جاگ جاتا ہوں
خواب کے ڈر سے
مری جب آنکھ کھلتی ہے
حقیقت کچھ نہیں ہوتی
سوائے خواب کے مجھ کو
حقیقت کچھ نہیں ملتی

خوشنما ریسرچ اسکالر
علیگڑھ مسلم۔ یونیورسٹی

نظم

گر اچھا نہیں لگتا
میرا حق بولنا تم کو
قلم تم چھین لو میرا
مجھے حق بات کہنے سے
تمہیں گر روکنا ہی ہے
میری ساری کتابوں کو
میری بے نام منزل کی
سبھی پیچیدہ راہوں کو
میرے مخلص خوابوں کو
جواب جن کے نہیں ملتے
ان بے ہنگم سوالوں کو
رواں ہیں رات دن حق پر
ان سارے خیالوں کو
جلا کر خاک کر ڈالو
جلا کر خاک کر ڈالو

قمر صدیقی ۔ ممبئی

غزل

کیا ہے آسماں میں درر زیلوں نے کمینوں نے
مچا رکھا ہے کیا کیا شر رزیلوں نے کمینوں نے
وہ فتنہ توبہ جس سے کرتا ہے شیطان بھی یارو
اٹھا رکھا ہے اپنے سر رزیلوں نے کمینوں نے
خدائے لم یزل کی شان میرا کچھ نہیں بگڑا
چلائے کیا نہیں نشتر رزیلوں نے کمینوں نے
تھی پہلے خوب سے خوب تر دنیا مگر اس کو
کیا ہے بد سے بھی بدتر رزیلوں نے کمینوں نے
قمر محدود کر کے سچ کو بس اک حاشیے تک اور
ہے کھولا جھوٹ کا دفتر رزیلوں نے کمینوں نے

ڈاکٹر میر علاؤالدین دلؔ ہاشمی ۔ حیدرآباد

غزل

طور پتھر ہے آئینہ پتھر
آدمی بن کے رہ گیا پتھر
سنگ اسود کا جب لیا بوسہ
سب گناہوں کو پی گیا پتھر
جس پہ قائم ہے گھر کی مضبوطی
وہ تو بنیاد میں رہا پتھر
دب کے حق حق بلالؓ کہتے تھے
جب بھی کافر نے رکھ دیا پتھر
دستِ فریاد میں سدا اے دلؔ
موم کی طرح ہوگیا پتھر

عبدالرحمٰن جامیؔ اکیسویں صدی کے عظیم شاعر اور علم عروض کے ماہر

آل انڈیا صوفی علماء کونسل کے زیر اہتمام جلسہ تعزیت سے علماء و دانشورانِ قوم کا خطاب

عبدالرحمٰن جامیؔ نہ صرف عظیم شاعر ومدبر تھے بلکہ علم عروض کے ماہر بھی تھے۔آل انڈیا صوفی علماء کونسل کے زیر اہتمام اردو ہال حمایت نگر میں منعقدہ جلسہ تعزیت سے مخاطب کرتے ہوئے علماء کرام ،شعراء ودانشوران قوم نے خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ مولانا مفتی سید صادق محی الدین فہیم جامعہ نظامیہ نے صدارتی خطاب کرتے ہوئے فرمایا عبدالرحمٰن جامی کے کلام میں حکمت وتصوف کے نکات قاری محسوس کرسکتا ہے۔عبدالرحمٰن جامیؔ ترقی اور جدت پسند شاعر تھے،ان کی شاعری کے مقام کو سمجھنے کے لیے ان کے کلام کے فکروفن کا مطالعہ ضروری ہے۔جس میں شاعری کے تمام محاسن موجود ہیں۔حضرت جامیؔ کے دیرینہ رفیق پروفیسر رحمت یوسف زئی، اپنے جذبات پر قابو نہ رکھتے ہوئے گلوگیر لہجے میں اپنے دوست کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہمزاد مجھ سے جدا ہوگیا۔عبدالرحمٰن جامیؔ جیسا انسان صدیوں میں ایک بار دنیا میں آتا ہے۔میر، غالب، حالی کی ایک صدی تھی۔ اکیسویں صدی عبدالرحمٰن جامیؔ کی ہے۔جامیؔ کا ہر شعر ایک اہم پس منظر رکھتا ہے،جو ان کی زندگی اور معاشرت کی عکاسی کرتا ہے۔ڈاکٹر ایم ایم یوسف نے جامی کے علم عروض کے استاد فن کے عظیم رہنما کی زندگی کے کچھ پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا اکیسویں صدی علم ودانش کے عظیم رہنما سے محروم ہوگئی۔ پروفیسر مجید بیدار نے کہا کہ جامیؔ کی شاعری میں قدیم اور جدید کی تمام اصناف پائی جاتی ہیں،جس میں فکروفن کے گوہرِ نایاب چھپے ہیں۔ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی ایڈیٹر ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد نے کہا کہ عبدالرحمٰن جامی ماہنامہ صدائے شبلی کے مشیراعلی اور شبلی انٹرنیشنل ٹرسٹ کے سرپرست تھے۔اس لیے آئندہ ماہِ مارچ ۲۰۲۱ء میں ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد اپنا ایک خصوصی شمارہ عبدالرحمٰن جامی نمبر شائع کرنے جارہا ہے۔قلم کار حضرات اس نمبر کے لیے اپنے مضامین وتخلیقات ارسال کرسکتے ہیں۔ پروفیسر ایس اے شکور،ڈاکٹر قاری محمد نصیرالدین منشاوی، ڈاکٹر مختار احمد فردین صدر آل انڈیا اردو ماس سوسائٹی فار پیس، ڈاکٹر عبدالقدوس ،صلاح الدین نیر،شاہنواز ہاشمی، فضیل فوز، نذیر نادر، ذاکر دانش، منورالنساء منور، سلیم اسلم نظامی، خالد نظامی، مقصود نظامی، مولانا صوفی سید شاہ محمد خیرالدین قادری صدر آل انڈیا صوفی علماء کونسل نے استاد الاساتذہ شاعراعظم مرحوم کو خراج عقیدت پیش کیا۔صوفی خیرالدین نے کہا عبدالرحمٰن جامیؔ ایک شخصیت کا نام نہیں ہے بلکہ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، رہتی دنیا تک جامیؔ کو پڑھا جائے گا۔ان کی شاعری اور حیات پر کئی اسکالر پی ایچ ڈی کرچکے ہیں۔ یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔

تعزیتی جلسہ میں شہر حیدرآباد کے علاوہ اضلاع، کرناٹک، آندھرا، مہاراشٹرا کے مندوبین کی کثیر تعداد شریک تھی۔جلسہ سے پہلے حضرت جامی کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا۔مولانا حکیم صوفی سید شاہ خیرالدین قادری کنوینر جلسہ نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔رات دیر گئے صدر جلسہ کی رقت انگیز دعا پر جلسہ کا اختتام عمل میں آیا۔

موجودہ دور میں جمہوریت کو بچانے اور مستحکم کرنے کی ضرورت

مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم میں جلسہ جشنِ جمہوریت

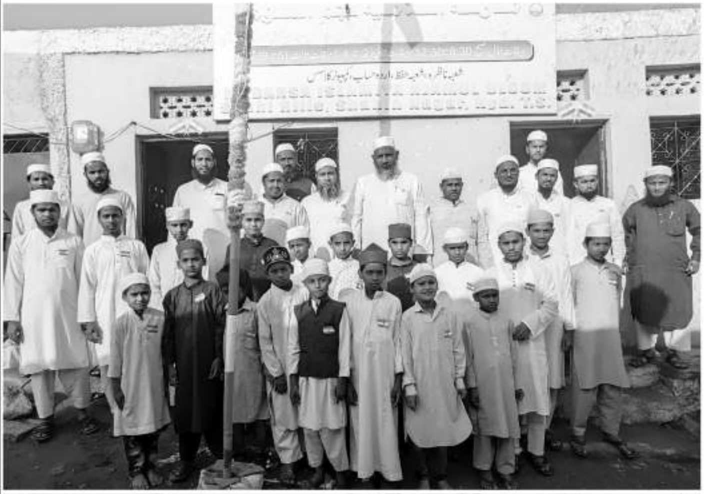

یوم جمہوریہ کی مناسبت سے مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم شاہی ہلز شاہین نگر (زیرانتظام شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد) میں ایک جلسہ کا انعقاد کیا گیا۔ جس کی صدارت ناظم مدرسہ مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی چیرمین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد ایڈیٹر ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد نے کی۔ جلسہ کا آغاز قاری محمد فوزان متعلم مدرسہ ہذا کی تلاوت سے ہوا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں محمود عالم متعلم مدرسہ ہذا نے نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ ترانہ ہندی سید عمر، سید ابراہیم اور محمد سعد نے پیش کیا۔

موضوع کی مناسبت سے عبدالرزاق، محمد التمش اور محموعالم نے پرجوش تقریریں کیں۔ محمد فوزان، مولانا عبداللہ قاسمی نے ہندوستان کی عظمت کو نظم میں پیش کیا۔

صدر مجلس نے طلباء واساتذہ کی محنت شاقہ کو سراہا اور خوب سے خوب تر کی صلاح دی۔ تمام ہندوستانی کو جمہوریہ کی مبارکبادی پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ جمہوریت میں قانون کی بالادستی ہوتی ہے اور بلالحاظ مذہب وملت کے سبھی کے حقوق مساوی ہوتے ہیں۔ موجودہ صورتِ حال کے مدِ نظر رکھتے ہوئے آج جشن جمہوریت منانے کی بجائے یوم جمہوریت کے موقع پر جمہوریت کو مستحکم کرنے کا عہد کریں۔ کیونکہ ہمارا ملک مختلف رنگ ونسل، ذات ومذہب کا گلدستہ ہے۔

اس جلسہ میں طلباء واساتذہ کے علاوہ مہمان خصوصی کی حیثیت سے حافظ محمد زبیر صدیقی، مولانا مساعد ہلال احیائی، مولانا حافظ محمد وقار حسامی، محمد ظفیر الدین، حافظ محمد شاکر قاسمی، مولانا راشد فضل، مولانا حافظ شمش تبریز، جناب عبدالواحد وغیرہ نے شرکت فرمائی اور مدرسہ کی تعلیم وتربیت سے بہت متاثر ہوئے۔ حافظ محمد زبیر صدیقی کی دعا پر جلسہ کا اختتام عمل میں آیا۔ حافظ محمد شاکر نے حاضرین محفل کا شکریہ ادا کیا۔

MADRASA ISLAMIA NAJMUL ULOOM
Shahi Hills, Near Masjid Noor Ali, Shaheen Nagar, Hyderabad.
SHIBLI INTERNATIONAL
EDUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST

مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم
شاہی ہلز نزد مسجد نور علی، شاہین نگر، حیدرآباد
Regd No: 180/2016

مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم شاہی ہلز شاہین نگر حیدرآباد

زیر انتظام: شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ............گرامی قدر محترم! امید ہے کہ آپ اپنے متعلقین کے ساتھ بخیر وعافیت ہوں گے

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے خَیرُکُم مَن تَعَلَّمَ القُرآن وَعَلَّمَہ۔ تم میں سے بہترین انسان وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔ اس حدیث سے علم اور قرآن علم کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اسی علم کی نشر واشاعت کے لئے **مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم** شاہی ہلز شاہین نگر حیدرآباد میں ۱۵ رجنوری ۲۰۱۶ء کو قائم کیا گیا تاکہ امت مسلمہ کے نونہالان زیور علم سے آراستہ ہوں اور ملک وملت کی خدمت میں وقف ہو جائیں۔ اللہ رب العزت ان مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے۔ آمین یارب العلمین۔

مدرسہ ہذا اور ٹرسٹ کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے۔ جملہ اخراجات کی ادائیگی اہل خیر حضرات کے تعاون سے ہوتی ہے۔ ٹرسٹیوں کے مشورے سے دوسو (200) رگز زمین شاہی ہلز شاہین نگر میں خریدی جارہی ہے، جس کی مجموعی قیمت 24 رلاکھ روپے ہے، فی گز 12 رہزار روپے ہے۔ 10 رلاکھ روپے بطور بیع نامہ ادا کیا گیا ہے۔ اس زمین پر مصلیٰ، مدرسہ، لائبریری، دفتر اور ایک آڈیٹوریم بنانے کا ارادہ ہے۔ اس لیے اہل خیر حضرات سے گذارش ہے کہ اپنے اور مرحومین کے صدقہ جاریہ کے لیے تعاون فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

Bank : IDBI CURRENT ACCOUNT
A/c Number : 1327104000065876
A/c Name : Shibli International Educational and Charitable
IFSC Code: IBKL0001327, Branch: Charminar

حافظ وقاری مفتی ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی خطیب مسجد عالیہ، بانی وناظم مدرسہ ہذا چیرمین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد

Google Pay: **8317692718** WhatsApp: **9392533661**

ABDUL WAHED
PROPRIETOR
Cell: 98480 36940

KGN XLNT TEA
Rich Aroma, Refreshing Taste
PREMIUM TEA

KGN TEA SALES

WHOLESALE & RETAIL TEA MERCHANT

For Orders : 90302 02018
86396 32178
89197 03547

S.No.: 22-1-114, Jambagh, Kali Khabar Main Road, Darushifa, Hyderabad - 500 024, TS
Off.: 5-3-989, 104, First Floor, Sherza Estates, N.S. Road, M.J. Market, Hyderabad - 500 095
email: kgnteasales@gmail.com

Shoe world

STYLISH & QUALITY FOOT WEAR
Estd. 1963

SHOE WORLD CIRCLE

Pathergatti, Hyderabad. Ph.: 040 24576852

SHOE WORLD

Abids, Hyderabad, Ph.: 040 24608208

M. HILAL COLLECTION

Wholesale & Retail

Spl. in:
Lucknavi Chicken Suits,
Kurta Pyjamas,
Readymade Suits,
Nighties, Tops
& Cotton Suits Etc.

#23-6-178/1, Masjid Faqurunissa Begum,
Mir Momin Daira, Hari Bowli, Hyderabad.
9032675243, 8919620790, 9392533661

Urdu Monthly
SADA E SHIBLI
Hyderabad

February 2021

RNI: TELURD/2018/77022
ISSN: 2581-9216

Rs. 20/-

مجتبیٰ ٹکسٹائلس

MUJTABA
TEXTILES FOR THE GENTLEMAN IN YOU

#20-4-20/6/1, 20-4-20/7/5 & 7/6, Punch Mohalla, New Laad Bazar,
Khilwath, Hyderabad. T.S. India

Ph: +91 6281040896 - Email: mujtabatextiles18@gmail.com - Web: www.mujtabatextiles.com
Follow us on facebook: https://www.facebook.com/mujtaba.textiles.1

Editor, Printer, Published & Owned by Mohd. Muhamid Hilal
Printed at Daira Electric Press, #22-8-143, Chatta Bazar, Hyderabad. 500 002.
Published at #17-3-352, B1, 2nd Floor, Bafana Complex, Dabeerpura, Hyderabad - 23, T.S
Cell: 9392533661, 8317692718, Email: muhamidhilal@gmail.com